الحركة الوهابية

تالیف : دکتور محمد خلیل ہراس حفظہ اللہ

تحریکِ وھابیّت

ترجمہ

حافظ محمدؐ اسلم فاضل مدینہ یونیورسٹی

ناشر

دار العلوم الاسلامیّہ

پنڈی گھیب - ضلع اٹک

الحركة الوهابية

تالیف : دکتور محمد خلیل ہراس حفظہ اللہ

تحریکِ وہابیت

ترجمہ

حافظ محمد اسلم فاضل مدینہ یونیورسٹی

ناشر

دار العلوم الاسلامیۃ

پنڈی گھیب ۔ ضلع اٹک



الحركة الوهابيّة

ردّ على مقال للدّكتور محمّد البهي في نقد الوهابية

طبع ——— ثالث
تعداد ——— ایک ہزار
مؤلف ——— دکتور محمد خلیل ہراس حفظہ اللہ
مترجم ——— حافظ محمد اسلم خریج الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ
ناشر ——— دار العلوم الاسلامیۃ

يطلب من :
دار العلوم الإسلامية : چکی - پنڈی گھیپ ضلع اٹک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

دیباچہ

الامام الربانی شیخ الاسلام محمدؒ بن عبدالوہاب نے نجد و حجاز میں دعوت سلفی کی بنیاد رکھی اور عوام کی اصلاح کے لیے وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا تو تحریک کی نشأت کے ساتھ ہی بدعت پرست علماء نے اس کی مخالفت کے لیے محاذ بنا لیا اور کذب و افترا کے ذریعہ تحریک اور اس کے حاملین کو بدنام کرنا شروع کر دیا۔

تحریک کے دعاۃ اور مبلّغین پر جہالت اور خارجیت کے فتوے لگائے۔ تاکہ عوام الناس کو اس تحریک سے دُور رکھا جائے۔ مگر ؎

..... پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

تحریک اپنے مخالفین کے علی الرغم عوام میں مقبول ہوتی گئی اور آل سعود کے تعاون کے بعد اس نے سیاسی قوّت بھی حاصل کر لی اور نجد سے نکل کر یمن و حجاز اور دیگر اسلامی مراکز کا رُخ اختیار کر لیا۔

آلِ سعود کی اس اقبال مندی پر شریف مکہ، آستانہ کی حکومت، اور انگریز بہادر مضطرب ہو گئے اور آل سعود اور وہابیوں کے محاربت کا سلسلہ شروع کر دیا اور سیف و سنان کے معرکے قائم ہو گئے دوسری طرف علماء سوء کو استعمال کیا اور تحریک کے خلاف لٹریچر شائع کرنا شروع کر دیا جس کا لب لباب یہی تھا کہ وہابی خارجی ہیں، یہ بزرگوں کی بے حرمتی کرتے ہیں ان کی قبروں پر سے قبوں کو گراتے ہیں۔ اولیاء اللہ کے گستاخ ہیں وغیرہ لہٰذا عوام کو چاہیئے کہ ان کا مقابلہ کریں اور اس تحریک کو کچل کر رکھ دیں۔

الغرض اس تحریک کو کچلنے کے لیے متحدہ محاذ بنایا گیا اور اس کی مخالفت میں فتوے دیئے گئے۔

آل الشیخ سے جن علماء نے اس سلسلہ میں بہترین کردار ادا کیا اور تحریک سے دفاع کے لیے

اپنی مساعی کو بروئے کار لائے ان میں العلامہ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل الشیخ، حضرت العلام الشیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن آل الشیخ، الامام المحدث الشیخ عبداللہ بن حسن آل الشیخ اور العالم الکبیر الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

الحاصل تحریک کی مخالفت اب بھی جاری ہے اور تحریک کے دائرہ میں ایسے علماء کی کمی نہیں ہے جو بحمد اللہ ہر جہت سے دفاع کے لیے مستعد نظر آتے ہیں ناظرین کے سامنے یہ کتاب "الحرکۃ الوہابیۃ" بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے ہم اس کتاب کی تالیف پہ دکتور خلیل ہراس کو مبارک باد پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو سلامت رکھے اور اس سلسلہ میں مزید تالیفات کی توفیق مرحمت فرمائے واللہ ولی التوفیق۔

ضرورت تھی کہ اس کتاب کا اُردو ایڈیشن شائع کیا جائے چنانچہ دارالعلوم الاسلامیہ چکی پنڈی کیمبپ ضلع اٹک کی طرف سے اس کا اُردو ترجمہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی مجھے امید ہے کہ اصل کتاب کی طرح اس ترجمہ کو پسندیدہ نظروں سے دیکھا جائے گا اور الجامعۃ الاسلامیہ (مدینہ منورہ) اس کی اشاعت کی توسیع میں بھی بُخل سے کام نہیں لے گا۔ دُعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینِ اسلام کی خدمت اور کتاب و سُنّت کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے اور ہم پاکستان میں اس کام کو منظم طریقہ سے چلا سکیں۔

وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔ والسلام

محمد عبدہٗ الفلاح

قاسم منزل حاجی آباد (فیصل آباد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مترجم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہٗ۔

کے بعد۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم دارالعلوم الاسلامیہ چکی پنڈی گھیب ضلع اٹک کی طرف سے کتاب "الحرکۃ الوھابیہ" کا اُردو ترجمہ "تحریک وہابیت" کرنے اور اسے شائع کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمارے اس حقیر سے عمل کو قبول فرمائے۔

کیونکہ فضیلۃ الدکتور خلیل ہراس نے اس کتاب میں تقریباً ہر اس اعتراض کا جواب دیا ہے جو عموماً اس تحریک پر کئے جاتے ہیں۔

یہ اعتراضات وقتاً فوقتاً اس تحریک پر ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن الدکتور البہی نے ان کو تقریباً ایک جگہ جمع کر دیا تھا اس لیے فضیلۃ الدکتور ہراس نے ان کا جواب ایک رسالے کی شکل میں دیا ہے جس کا اُردو ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

یہی اعتراضات پاکستان میں بریلوی حضرات تحریک اہلِ حدیث پر بھی چسپاں کرتے ہیں اور تحریک وہابیّت پر بھی۔ خاص کر جب حجاج اکرام مقدّس فریضے اور مقدّس سرزمین پر جانے کی تیاری کر رہے ہوتے ہیں یا جہاز میں سفر جاری کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ تو یہ لوگ عجیب عجیب افسانے بنا کر حجاج کرام کے کانوں میں پھونکتے ہیں۔ کہ وہاں جا کر جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنا ورنہ تمہاری نمازیں ضائع ہو جائیں گی، تمہارا حج ضائع ہو جائے گا۔ العیاذ باللہ۔

اور یہاں پاکستان میں تو آپ نے اخبارات اور اشتہارات کے ذریعہ پڑھا ہوگا کہ جب امام کعبہ فضیلۃ الشیخ عبداللہ السبیّل تشریف لائے تھے جن لوگوں نے ان کے پیچھے جمعہ کی نماز یا دوسری نمازوں میں سے کوئی ادا کی تو ایسے لوگوں کے لیے یہ فتویٰ صادر ہُوا کہ ان لوگوں کے نکاح ختم ہو گئے

ہیں۔ الامان والحفیظ۔

حالانکہ اس تحریک کا اور اس کے پیروکاروں کا سب سے اہم کام اللہ تعالیٰ کی توحید کو پھیلانا اور ہر آدمی تک اس کو پہنچانا ہے۔

لوگوں کو قبروں کے سامنے درختوں اور پتھروں کے سامنے جھکنے سے روکنا اور سمجھانا کہ ان میں تمہارے لیے کوئی نفع و نقصان نہیں۔ اگر کچھ مانگنا ہے یا نذر و نیاز دینی ہے تو صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک سے مانگو اور نذر و نیاز اسی کے لیے دو۔ قبروں کے متعلق اس تحریک کا وہی نصب العین ہے جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دے کر بھیجا تھا کہ کوئی قبر بلند ہو تو اس کو زمین کے برابر کیے بغیر نہ چھوڑ۔

جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرتے ہوئے نجد و حجاز میں قبروں پر بنائے گئے قبے گرائے گئے تو اکثر جاہل لوگوں نے شور و غل کیا تو اس وقت کے بادشاہ ملک عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان کیا تھا کہ کوئی بھی شخص مجھے قرآن و سنت میں سے یہ ثابت کر دے کہ اسلام نے قبے بنانے اور قبر پرستی کی اجازت دی ہو تو میں ان گرائے ہوئے قبوں کو چاندی سے تعمیر کراؤں گا۔

یہ تو ایک عام آدمی بھی سوچ سکتا ہے کہ اگر کوئی پیر ہو یا فقیر مرتے وقت اور مرنے کے بعد ہمارا محتاج ہے کہ ہم اسے نہلائیں کفن پہنائیں اور لے جا کر قبر میں دفن کریں۔ اس وقت تک کسی کی کوئی حاجت پوری نہیں کر رہا بلکہ خود محتاج ہے اور پھر اس کو دفن کرنے کے بعد اور اتنی مٹی اس کے اوپر ڈالنے کے بعد وہ ہماری درخواستیں سننے لگ گئے اور ہماری حاجتیں پوری کرنے کے لیے حاجت روا بن گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سوچنے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

ان تمام چیزوں کا جواب فضیلۃ الدکتور خلیل ہراس نے اس کتاب میں بڑے عمدہ انداز میں دیا ہے۔ غور و فکر کرنے والے کے لیے کافی و شافی ہے۔

آخر میں میں دکتور محمد انور شاہد کا بے حد مشکور ہوں جنہوں نے میرے ساتھ خالصتاً جماعتی لحاظ سے کتاب کے ترجمہ سے طباعت تک نہ صرف میری رہنمائی فرمائی بلکہ اپنی طرف سے وقتاً فوقتاً خرچ کرنے میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

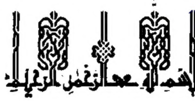
دکتور محمد انور شاہد نے بے حد مصروفیات کے باوجود ہمارے لیے اپنے قیمتی وقت سے

وقت نکالا اور ہمارے ساتھ تعاون فرمایا۔
اللہ تعالےٰ انہیں مزید دینی کاموں میں حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حافظ محمد اسلم

فاضل الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ یونیورسٹی (المدینۃ المنوّرہ)

۱۴ / مئی ۱۹۸۱ء عیسوی



تقدیم

حال ہی میں اُستاذ محترم ڈاکٹر محمد البہی (مصری) کے قلم سے ایک کتابچہ نظر سے گزرا جس میں اُنہوں نے "فکر اسلامی" کے مختلف ادوار و اطوار کا جائزہ لیا ہے اور اس کی ترقی و تنزل اور حرکت و جمود سے بحث کی ہے۔ اُستاذ موصُوف کی یہ کتاب "دار الفکر" بیروت نے شائع کی ہے۔

اس کتابچہ کے ایک فصل میں ڈاکٹر صاحب نے "تحریکِ وہابیت" کو بھی اپنی بحث کا موضوع بنایا ہے اور اس تحریک کو آٹھویں صدی کی اس دینی اصلاحی تحریک کی کڑی قرار دیا ہے جس کی بنیاد شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے رکھی تھی۔

ڈاکٹر موصُوف نے اپنے اس مقالہ میں "تحریک وہابیت" کے متعلق جن مزاعم کا اظہار کیا ہے حقیقت حال اس کے برعکس ہے اور پھر ان خود ساختہ مزاعم پر بے جا تنقید بھی کی ہے جس میں انصاف کا دامن چھوڑ دیا ہے اور بحث علمی کے موازین کی کچھ بھی پرواہ نہیں کی۔

کسی چیز پر تنقید کے لیے یہ ضروری ہے کہ نہ تو اس کی خوبیوں سے صرف نظر کی جائے اور نہ ہی نقائص کے بیان میں مسامحت سے کام لیا جائے مگر ڈاکٹر صاحب کو چونکہ اس مبارک تحریک سے کدی ہے اس لیے اس تحریک کی خوبیوں کو بھی عیوب کا لباس پہنا دیا ہے۔ اور محض تخمینوں سے اِس پر تہمتوں کے انبار لگا دیئے ہیں اور ان چیزوں کو اُنہوں نے وقت کے خاص عوامل کی تاثیر قرار دیا ہے۔ سچ ہے

...... وعین السخط تبدی المساویا

کہ کینہ کی آنکھ کو خوبی بھی برائی نظر آتی ہے۔

بلا شبہ ڈاکٹر صاحب کی اس تنقید کا اگر اس تحریک کے مبادی، اور عقیدہ و عمل کے میدان میں اس کی اصلاحات سے موازنہ کیا جائے تو ڈاکٹر صاحب کی روش پر تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے اس

تنقید میں تحریک کے مخالفین کی کتابوں پر کیسے اعتماد کر لیا۔ جبکہ ڈاکٹر صاحب اس سے پہلے محققانہ اور عالمانہ انداز میں لکھنے کے عادی ہیں اور اپنی تالیفات میں تدقیق و تحقیق کے راستہ پر گامزن رہے ہیں۔ ہمیں ڈاکٹر صاحب سے تلمذ کا شرف حاصل ہے اور انھوں نے جامعہ ازہر کے کلیۃ اصول الدین میں اسلامی فلاسفی کے موضوع پر جو لیکچر ہمیں دیئے ہیں وہ ان کی تحقیق علمی پر شاہد عدل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر نامعلوم انھوں نے اس بحث میں تحقیق کا دامن کیوں ہاتھ سے چھوڑ دیا اور بلا تحقیق ایسی باتیں کیوں لکھتے چلے گئے ہیں۔

اب ہم اُستاذ موصُوف سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں بھی اس مقالہ پر ایک ایک کرکے تفصیلی تعاقب کی اجازت دی جائے۔

ہم ذاتی طور پر ڈاکٹر صاحب کا احترام کرتے ہیں مگر حق کے مقابلہ میں اُن کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ کیونکہ حق بات کو ہم اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ ارسطو نے اپنے شیخ افلاطُون کے فلسفہ پر تنقید کرتے ہوئے بجا فرمایا۔

افلاطُون ہمارا دوست ہے اور حق بھی ہمارا دوست ہے لیکن حق افلاطُون سے زیادہ عزیز ہے۔

اب ہم ڈاکٹر صاحب کے مقالہ پر تعاقب شروع کرنے میں پہلے ڈاکٹر صاحب کے مقالہ کا خلاصہ پیش کریں گے اور پھر اس پر تنقید کریں گے۔[1]



[1] ترجمہ میں ڈاکٹر صاحب کے قول کو ڈاکٹر صاحب کے لفظ کے ساتھ ہی ذکر کریں گے مگر تعاقب کو ھ (ہراس) سے تعبیر کریں گے۔ واللہ اعلم

تحریکِ وہابیّت کے بُنیادی اُصول

تحریکِ وہابیّت کی نشأت:

ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب "الفکر الاسلامی فی تطورہ" کی چوتھی اور آخری فصل کو وہابی تحریک کے لیے مختص کیا ہے اور اس کے دو پہلوؤں پر تاریخی حیثیّت سے بحث کی ہے۔

(الف) سیاسی حوادث اور موجودہ حکومت سے ان کا تعلق۔

(ب) ایک دینی تحریک کی حیثیّت سے اس کا تعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کی تحریک سے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

محمد بن عبدالوہاب کی تحریک پر بحث سے بالذات ہمارا مقصود اسی دوسری شق سے ہے۔

اس کے بعد ابتداء میں مؤسسؒ دعوت کے مختصر حالات بیان کیے ہیں اور بتایا ہے کہ انہوں نے طلبِ علم کے سلسلہ میں بڑے بڑے اسلامی مراکز کی طرف سفر کئے مثلاً حجاز میں مکّہ اور مدینہ گئے اور منطقہ خلیج عربی میں اُحساء کی طرف رحلت کی اور عراق کے سفر میں بصرہ اور بغداد پہنچے اسی طرح شام کے سفر میں دمشق گئے اور ایران کی طرف سفر میں اصفہان اور قُم میں وارد ہوئے۔ اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ انہوں نے آخری سفر میں بارہ سال کے قریب درس وتدریس میں صرف کئے اور اس طویل سفر میں انہوں نے اسلام اور مذاہب اسلامیہ کے متعلق تجرباتی اور واقعاتی معلومات حاصل کرلیں۔ اور اس میں ان کی حالت حافظ ابن تیمیہ اور دیگر تحریکات اسلامیہ کے حاملین سے مختلف نہ تھی۔

پھر جب وہ اپنے شہر "عیینہ" میں واپس آئے تو انہوں نے اس دعوت کے اعلان کا عزمِ مصمّم کرلیا چنانچہ جب اعلان کیا تو انہیں سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، جس کے نتیجہ میں وہ عیینہ سے ریاض کے شمال میں "درعیہ" چلے گئے جہاں کہ امیر محمد بن سعود (رحمہ اللہ وغفرلہ) مقیم تھے۔

ان کے "درعیہ" پہنچنے پر امیر نے ان کی دعوت پر لبیک کہا اور ان کو اپنی حمایت کا یقین دلایا چنانچہ اسی شب میں شیخ اور امیر کے درمیان یہ معاہدہ طے پایا کہ شیخ سعودی خاندان کے ساتھ رہیں گے اور امیر ابن سعود اس دعوت کو پھیلانے میں طاقت اور فوج سے ان کی مدد کریں گے۔

چنانچہ اس معاہدہ کے مطابق یہ تحریک چلتی رہی حتّٰی کہ ۱۷۹۲ء کو شیخ الاسلام اس دار فانی سے رحلت کر گئے رحمہ اللہ تعالیٰ وغفر لہ۔

شیخ اور امیر کی وفات کے بعد ان ہر دو خاندان کے افراد نے اس معاہدہ کو قائم رکھا اور اب تک "دعوۃ وہابیہ" کے ساتھ سعودی حکومت کا وہی تعلق چلا آتا ہے۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"اس معاہدہ کی بنا پر اس دعوت کو قوت ایمانی کے ساتھ ساتھ قوت سلطنت بھی حاصل ہو گئی اور ایک ساتھ یہ دونوں چیزیں عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے بعد بہت ہی کم کسی دینی تحریک کو نصیب ہوئی ہیں۔ اس بنا پر یہ تحریک اپنے نشاط میں پُر اُمید نظر آتی رہی۔"

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس تحریک کے سیاسی پہلو پر بحث کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ اس تحریک کی برکت سے کس طرح جزیرہ نماعرب میں سعودی حکومت کا دائرہ وسیع ہوا اور اس کے اثر و نفوذ میں اضافہ ہوا حتّٰی کہ حجاز کی فتح کے ساتھ یہ تحریک مکّہ اور مدینہ میں بھی داخل ہو گئی اس طرح موسم حج پر اسے اپنے بنیادی اصُول کی تشریحات اور تعلیمات کو نشر کرنے کا موقع مل گیا۔

پھر ان اجتماعات کی وجہ سے جو حج کے موقع پر مکّہ اور مدینہ میں منعقد ہوتے اس دعوت کو بیرون ممالک پھیلنے کا موقع مل گیا۔ حتّٰی کہ مشرق میں ہندوستان اور انڈونیشیا اور مغرب میں سوڈان، اور شمالی افریقہ تک پہنچ گئی۔

اس کے بعد ڈاکٹر موصوف نے جزیرہ نماعرب سے باہر سعودی حکومت کے اثر و نفوذ کے وسیع ہونے کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ جنوبی یمن میں سعودی حکومت کا دائرہ عمان اور زبید تک پہنچ گیا اور عراق کے قلب اور دمشق کے اطراف تک چلا گیا جس کی وجہ سے آستانہ میں ترکی خلیفہ بھی پریشان حال نظر آنے لگا۔ چنانچہ اس نے حاکم مصر محمد علی پاشا کو حکم دیا کہ وہ سعودیوں سے جنگ کرے اور انہیں ان کی پہلی حدود حکومت کی طرف لوٹا دے۔

(اس حملہ کی ابتدا ۱۷۹۶ء میں ہوئی اور مسلسل جنگیں ہوتی رہیں حتیٰ کہ ترک کمزور ہو گئے اور حجاز پر سعودی حکومت قائم ہو گئی)۔

اس کے بعد سعادت الدکتور رقم طراز ہیں:

"لیکن جلد ہی سعودی اثر و نفوذ بڑھ گیا اور بالآخر اس نے نجد و حجاز پر ۱۹۲۵ء میں مستقل حکومت قائم کر لی۔"

وہابی تحریک کے اصول ثلاثہ:

(الف) "عقیدہ جس کا تعلق اصول دین سے ہے"

توحید کی طرف دعوت کا مقصد یہ ہے کہ عقیدہ توحید کو پختہ کیا جائے اور شرک کی کلیتہً نفی کی جائے بایں طور کہ عبادت صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی ہو۔"

توحید کی طرف دعوت کا یہ مختصر سا خاکہ اور توحید کی اجمالی لیکن سچی تصویر ہے۔ یعنی "توحید الوہیت" کی بنیاد خالصتہً اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور ہر قسم کی عبادت میں اسی اکیلے کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ لہٰذا اس دعوت کا اوّلین مقصد یہ ہے کہ عالم اسلام میں توحید کے منافی جس قدر بھی شرک و وثنیت کے مظاہر پائے جاتے ہیں۔ مثلاً مُردوں کی عبادت، اصحابِ قبور سے استعانت، ان کے لیے نذر و نیاز، درختوں، پتھروں اور غاروں سے تبرک، جادو، ٹونے اور ہر قسم کی شعبدہ بازی پر اعتقاد، الغرض شرک و بُت پرستی جس شکل و صورت میں بھی پائی جاتی ہے اس کا قلع قمع کر دیا جائے۔

چنانچہ اس دعوت نے اس قسم کے مظاہر شرکیہ کو ختم کرنے کے لیے جدوجہد کی اور جو قبریں اور پتھر لوگوں کے لیے گمراہی کا سبب بنے ہوئے تھے ان کو مٹا دیا۔ لوگوں کے سامنے توحید کی وہ حقیقت واضح کی جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر مبعوث کئے تھے اور کتابیں نازل کیں تھیں اور توحید کے منافی امور کی نشان دہی کی۔

تحریک کا دستور العمل:

تحریک کے بانی اور مؤسس رحمہ اللہ کی "کتاب التوحید" اس کے دعاۃ کے لیے دستور العمل کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ اس تحریک کی طرف دعوت دینے والے علماء اور کارکن لوگوں کو کتاب التوحید

کی تعلیم دیتے اور اس کے مسائل اور فصول کی تشریح کرتے۔

پھر آگے چل کر ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں۔

"لفظ تقدیس و عبادت سے ہر وہ معنی مفہوم ہوتے ہیں جن کی بنا احترام پر ہو خواہ وہ الفت و عادت کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو۔"

ان الفاظ سے محترم ڈاکٹر صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہابیوں نے "مفہوم عبادت" کی تحدید میں تجاوز سے کام لیا ہے اور ہر قسم کے احترام و تقدیس کو جو بطور عادت لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ اسے بھی عبادت میں داخل کر لیا ہے۔

(ھ) لیکن ڈاکٹر صاحب کی یہ انوکھی منطق ہے کہ رسم و رواج بھی غیر اللہ کی عبادت کو مشروع دیتے ہیں چنانچہ قبروں پر قبے بنانے، شدائد و مصائب کے دور کرنے کے لیے اصحاب قبور سے استغاثہ قضاء حوائج کے لیے ان سے دعا نذر و نیاز کے ذریعہ تملق اور خشوع و خضوع کے ساتھ ان کے حجروں میں جا کر ان کو توسل کے لیے پکارنا محض الفت و عادت اور رسم و رواج ہے۔ جو توحید عبادت کے منافی ہے اور نہ ہی اس سے ایمان کو نقصان پہنچتا ہے۔ کیا خوب!

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

اگر ڈاکٹر صاحب کی اس منطق کو صحیح مان لیا جائے کہ رسم و رواج کے طور پر جو کچھ بھی کیا جاتا ہے وہ قابل سرزنش نہیں تو پیغمبر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ ان کی اُمتیں شرک و معاصی کا ارتکاب محض الفت و عادت اور رسم و رواج کے طور پر کر رہی تھیں۔ یہی حال مُشرکین عرب کا تھا کہ وہ جن اعمال شرکیہ کے مرتکب ہو رہے تھے اور بُتوں کے سامنے نذرانے اور جانوروں کی قُربانی پیش کر رہے تھے ان کے گرد طواف اور ان سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ یہ سب کچھ الفت و عادت ہی کے طور پر تو کر رہے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ جب قرآن نے اُن کو ان چیزوں سے منع کیا تو انہوں نے جواب میں کہا۔

اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ

ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ایک دین اور طریقہ پر پایا اور ہم انہی کے آثار کی اقتداء کر رہے ہیں۔

جن کے ساتھ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو مقابلہ کا حکم ہوا۔ اور قرآن نے ان کی مذمّت کی اور

انہیں ابدی جہنّم کی وعید سنائی ۔

وہابی تحریک

حکمت اور دل نشین انداز سے اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف دعوت دیتی ہے ۔

اس کے بعد محترم ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں ۔

(د) "لہٰذا قبریں بنانا ، باقاعدگی سے ان کی زیارت کرنا اور خشوع و خضوع کی حالت میں ان کے پاس ٹھہرنا یہ شرک اور عدم توحید کی طرف جانے کے راستے ہی نہیں ہیں بلکہ حقیقی شرک ہیں ۔"

(ہ) یہ محض الزام ہے بلکہ حقیقت سے تجاوز اور تحریک کو بدنام کرنے پر انگشت نمائی ہے کیونکہ وہابی تحریک قبریں بنانے اور ان کی زیارت کو شرک نہیں کہتی وغیرہ ...... بلکہ ان قبروں کی زیارت کے اثنا میں جو کرتوت کیے جاتے ہیں مثلاً صاحب قبر سے دُعا اس سے استعانت ، طلب حاجات ، استمداد پھر صندوق میں نذر و نیاز رکھنا پھر وہاں پر جانور لے جانا اور صاحب قبر کے نام لے کر ذبح کرنا وغیرہ کو شرک کہتی ہے اور ان افعال کے شرک صریح ہونے میں کسی مسلمان کو کلام نہیں ہو سکتا ۔

پھر یہ چیزیں جو ڈاکٹر صاحب نے ذکر کی ہیں گو بذاتِ خود شرک نہیں ہیں لیکن شرک کا ذریعہ ضرور بنتی ہیں کیونکہ اُن باتوں سے قبروں کی تعظیم و عبادت کا ذہن پیدا ہوتا ہے ۔

اس بنا پر اسلام نے قبروں پر قبہ سازی کو حرام کر دیا ہے اور ایسی قبروں کو زمین بوس کر دینے کا حکم ہے اور ان کو پختہ کرنے ان کی نگہداشت اور ان پر چراغاں کرنے سے منع فرما دیا ہے چنانچہ سنن میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے ۔

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْھَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ ۔ (رواہ ابوداؤد ، ترمذی)	کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے اور جو لوگ ان پر مسجدیں بناتے اور انہیں چراغاں کرتے ہیں ان پر بھی لعنت کی ہے

اور صحیح مسلم میں ابوالہیاج الاسدی سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے اس سے کہا :

اَلَا اَبْعَثُکَ عَلٰی مَابَعَثَنِیْ عَلَیْہِ	کہ میں نہیں اس مشن پر نہ بھیجوں جس پر خود

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا
لَا تَدَعَ قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّیْتَہٗ	کہ کوئی نمایاں قبر نہ چھوڑو، مگر اُسے زمین
وَلَا صُوْرَۃً اِلَّا طَمَسْتَھَا (صحیح مسلم)	بوس کردو اور نہ کوئی تصویر ہو مگر اسے بگاڑ دو۔

اگر وہابی تحریک حجاز مقدس پر قبضہ کے بعد ان مبادی اسلامیہ پر عمل کے لیے نمایاں قبروں اور قبوں کو زمین بوس نہ کرتی تو ان مبادی سے خیانت کی مرتکب ہوتی۔ اور یہ محض ایک فکری اور زبانی دعوت ہو کر رہ جاتی۔

یہ عجیب بات ہے کہ فی الوقت ایک طرف تو ڈاکٹر صاحب با نقاب اور ان کے ہم نوا قبر پرست "وہابی تحریک" کو مجروح کر رہے ہیں اور اُسے تشدد کے طعنے دے رہے ہیں اور دوسری طرف توحیدِ حق کے انصار سعودی حکومت کو کوس رہے ہیں کہ جو لوگ صدیوں سے رسوم شرکیہ کے عادی چلے آ رہے تھے وہ سعودی حکومت کے حرمین شریفین پر قبضہ کے بعد اب بھی بہت سی رسوم شرکیہ کا ارتکاب کر رہے ہیں مگر حکومت ٹس سے مس نہیں ہوتی اور برابر مسامحت سے کام لے رہی ہے۔ لیکن یہ لوگ اس اصلاحی دعوت کی پالیسی سے بے خبر ہیں، کہ اس تحریک نے ابتداء سے ہی نرم رویہ کو اپنا شعار بنایا ہے۔ اور ہمیشہ سے دعوت کی بنیاد حکمت و موعظت حسنہ پر رہی ہے تاکہ جو لوگ دعوت پر جفا کاری اور شدت کا الزام لگاتے ہیں ان کے منہ بند کئے جا سکیں۔

اسلام کے اصل اعظم کی واجبی حفاظت:

اس کے بعد محترم ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں۔

"وہابیوں کے اس تشدد اور تجاوز میں دوسرے مسلمانوں سے افتراق کے عوامل پنہاں نظر آتے وہ اپنے آپ کو موحد اور اہل توحید سمجھتے ہیں۔ اور دوسرے مسلمانوں پر مشرک ہونے کا فتویٰ لگاتے ہیں، جبکہ دوسرے مسلمان ان کو اہل تشدد قرار دیتے ہیں۔ اور اس اصل اسلامی میں یعنی اصل توحید کو سمجھنے میں انہیں تنگ ذہن خیال کرتے ہیں۔"

دراس :

اس پر ہم ڈاکٹر صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اگر وہابی تحریک عقیدہ توحید کی صیانت اور اس کے حریم سے مدافعت کے لیے قبوں کو گرا کر زمین بوس کرتی ہے تو کیا یہ قرین انصاف ہے کہ اس پر تشدد اور کم ظرفی کا الزام اور دوسرے مسلمانوں سے خروج کا فتویٰ لگا دیا جائے ؟

کیا ڈاکٹر صاحب کو یہ یاد نہیں کہ اصول فقہ میں ایک قاعدہ ہے جسے "سدالذرائع" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ " جو چیز حرام کی طرف لے جائے وہ بھی حرام ہے "

(الف) اس اصل کے پیش نظر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر مساجد بنانے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ قبروں کی تعظیم اور عبادت کا ذریعہ ہے [1]

(ب) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کے طلوع و غروب کے وقت نماز سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ سورج کے پجاری اس وقت سورج کو سجدہ کرتے ہیں، لہٰذا اس وقت نماز سے ان کے ساتھ تشبیہ لازم آتی ہے۔

(ج) اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بڑی مساجد یعنی مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے سوا کسی ایسی جگہ کی طرف سفر سے منع فرمایا ہے جہاں کہ عبادت اور نماز پڑھنا مقصود ہو۔ [2]

(د) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونے سے منع فرمایا ہے

(ھ) اور آنحضرتؐ نے صحابہ کرام کو منع فرمایا ہے کہ آپؐ کی تعریف میں غلو و مبالغہ سے کام لیں چنانچہ فرمایا :

---

[1] اس کو بخاری اور مسلم اور ان کے علاوہ مختلف الفاظ اور مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے۔

[2] بخاری مسلم اور اصحاب السنن نے روایت کیا ہے۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب (الاقتضاء) میں فرمایا۔ کہ یہ کئی طریقوں سے بیان کی گئی ہے اور اہل علم کے نزدیک یہ حدیث صحیح ثابت ہے۔ اور لوگوں نے اس کو بغیر کسی اعتراض کے قبول کیا ہے۔

لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ وَ اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ۔[۱]

کہ میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا جیسا کہ نصارٰی نے عیسٰی بن مریم کی تعریف میں حد سے تجاوز کیا۔ میں صرف ایک بندہ ہوں لہٰذا تم مجھے عبداللہ (اللہ کا بندہ) اور اُس کا رسول کہہ کر پکارا کرو۔

(د) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا۔[۲]

کہ میری قبر پر میلہ نہ لگانا۔

اور فرمایا:

صَلُّوْا عَلَیَّ، فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ تُبَلِّغُنِیْ۔[۳]

مجھ پر درود بھیجو، تمہارا درود مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

(ح) ایک شخص نے آنحضرتؐ سے مخاطب ہو کر کہا:

مَا شَآءَ اللّٰہُ وَشِئْتَ۔

جو اللہ چاہے اور آپؐ چاہیں۔

اس پر آپ نے فرمایا:

اَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا؟ بَلْ مَاشَآءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ۔

کہ کیا تو نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا ہے؟ بلکہ تم صرف ماشاء اللہ وحدہٗ کہو۔

(ط) اور قاعدہ سد الذرائع کے تحت ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شجرہ الرضوان کٹوا دیا تھا جس

---

[۱] رواہ البخاری عن الحمید (ج ۱ ص ۔ ۹ ع) والترمذی فی الشمائل والدارمی کتاب الرقاق ج ۲ ص ۳۲ و مسند احمد ج ۱ ص ۲۳، ۳۵، ۴۷۔

[۲] ابوداؤد اور احمد نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ کئی طریقوں اور شواہد کے لحاظ سے۔ اسی طرح ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے بھی (الاقتضاء) میں صحیح کہا ہے۔

[۳] سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اس کو مرسل بیان کیا ہے جس طرح کہ (الاقتضاء) ص ۳۲۲-۳۲۳ میں ہے۔ اور اسی طرح فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ شیخ اسماعیل القاضی کی ہے۔ اس میں بھی موجود ہے۔

کے نیچے کھڑے ہو کر صحابہ کرام نے حدیبیہ کے سال بیعت کی تھی[۱]

(ی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حجرِ اسود کا بوسہ دیتے ہوئے فرمایا:

اِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّکَ حَجَرٌ لَّا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْلَا اَنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَبِّلُکَ مَا قَبَّلْتُکَ[۲]	کہ میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے جو نہ کچھ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اگر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا ہوتا کہ آپ تجھے بوسہ دے رہے ہیں تو میں کبھی بوسہ نہ دیتا۔

(ک) نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل روم سے جنگوں کے وقت حضرت خالد بن ولید کو ایسے موقع پر فوج کی قیادت سے معزول کر دیا تھا۔ جب فتوحات مکمّل نہیں ہوئی تھیں اور آئندہ فتوحات کا مدار اسی پر تھا اور محض اس لیے معزول کر دیا کہ لوگ خالد کو بڑا سمجھ کر فتنہ میں نہ پڑ جائیں[۳]

اب ڈاکٹر صاحب خود ہی بتائیں۔

(الف) کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا اس میں مبالغہ تھا؟

(ب) کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ، درخت کو کٹوا دینے اور خالد کو معزول کرنے میں حد سے گزر گئے تھے۔؟

اگر جواب نفی ہے تو پھر صرف وہابی تحریک کو ہی مبالغہ کا نشانہ کیوں بنایا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے اقدامات کو کیوں ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔

بالفرض اگر وہابیوں نے قبوں کو زمین بوس کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے تو یہ مبالغہ محمود کے قبیل سے ہے جس سے شرک کا استیصال اور وثنیت کی جڑوں کو جزیرۂ عرب سے اکھاڑ پھینکنا مقصود ہے اور یہ کام انھوں نے ایسے وقت سرانجام دیا ہے کہ تمام بلاد اسلام میں پتھروں پر توحید و

---

[۱] فتح الباری ج، ص ۶۶۸ بحوالہ طبقات ابن سعد

[۲] رواہ البخاری ج ا ص ۲۱۷

[۳] البدایہ والنہایہ ج، ص ۸۱

ایمان کے تمام قواعد ریزہ ریزہ ہو رہے تھے۔

لہٰذا صاحب سعادہ یہ مسئلہ صرف توحید کے فہم میں تنگ ظرفی کا نہیں ہے بلکہ اسلام کے رکن اعظم یعنی توحید کی واجبی حفاظت کا مسئلہ ہے۔

پھر محترم ڈاکٹر صاحب کا یہ الزام کہ موضوع توحید میں وہابیوں کے تشدّد کی وجہ سے مسلمانوں میں افتراق پیدا ہو گیا ہے۔ تو ہم عرض کریں گے کہ ایسا ہونا لازم تھا۔ کیونکہ باطل فطرتاً کبھی بھی حق پر راضی نہیں ہو سکتا ہے۔

تاہم اس کی تمام تر ذمہ داری وہابیّت پر نہیں آتی کیونکہ "وہابی تحریک" تو تمام مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے "دین حق" میں داخل ہونے کی دعوت دیتی ہے۔ جبکہ قرآن اور سُنّت مطہرہ نے اس کی تصویر پیش کی ہے اور انحراف وضلالت کے ہر قسم کے شوائب سے دُور رہنے کی تلقین کرتی ہے۔

اب "وہابیت" سے کسی قسم کی مداہنت یا مجاملت کی امید فضول ہے خصُوصًا دین اسلام کے اصل الاصول یعنی توحید کے معاملہ میں تو مداہنت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس باب میں اگر "تحریک وہابیت" ایک طرف ہو اور تمام دنیا دوسری طرف ہو جاتے تو پھر بھی کسی قسم مداہنت کی گنجائش تک نہیں ہے۔

جاہلیّت اولیٰ اور ثانیہ:

اس کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کیونکہ اب قبروں کو اُونچا بنانا اور ان کی زیارت وثنیت کی شکل اختیار نہیں کر سکتا جب کہ دعوت اسلامی سے پہلے جاہلیّت میں یہ شکل اختیار کئے ہوئے تھا لہٰذا اب قبریں بنانے اور ان کی زیارت سے شرک کا اندیشہ نہیں ہے چہ جائیکہ شرک کا ارتکاب ہو۔

د۔ ہراس

ملاحظہ فرمایئے کہ ہمارے دکتور کس حد تک واقعات سے صرف نظر کر کے تجاہل سے کام لے رہے ہیں گویا نہ کچھ سُنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیسویں صدی کی انسانی دُنیا۔ جو آئیٹم دور کی دُنیا سے الگ تھلگ رہ رہے ہیں جو کہ اپنی تمام صور و مظاہر کے ساتھ وثنیت کی دلدل میں پھنسی

ہوئی ہے۔

مقامِ تعجب ہے کہ یہ بات اس شخص کے مُنہ سے نکل رہی ہے جس سے ایک روز ان بلند و بالا قبروں کے متعلق سوال ہوگا جو کہ قاہرہ اور مصر کے دوسرے شہروں بلکہ دیہات تک میں کثرت سے موجود ہیں اور وہ خوب جانتے ہیں کہ ان قبروں پر کئی قسم کا شرک اور بت پرستی ہو رہی ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔

کیا محترم دکتور ایک چیز بھی ایسی بتا سکتے ہیں جس نے جاہلیّت اوّل میں وثنیت کی شکل اختیار کر لی تھی لیکن اب جاہلیّت ثانیہ میں وہ شکل موجُود نہیں ہے۔؟

کیا سادۃ الدکتوران اعمال کو تو بُت پرستی سمجھتے ہیں، جن کے ذریعہ جاہلیّت اولیٰ میں لات ومنات، عزیٰ اور ہبل کا تقرب حاصل کیا جاتا تھا۔ لیکن اگر وہی اعمال قبروں میں مدفون مشائخ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے سرانجام دیئے جائیں تو سراسر توحید بن جاتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی اس منطق نے ہمارے سامنے ایک معمہ رکھ دیا ہے جس کا حل ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب سعادت الدکتور وزیر اوقاف تھے تو انصار التوحید کی گردنیں آنجناب کی طرف اُٹھ رہی تھیں۔ اور وہ اس امر کے منتظر تھے کہ کب جناب والا اصلاح احوال کے لیے جرأت مندانہ قدم اٹھاتے ہیں اور کم ازکم ان درباروں کو مقفل کر دیں اور ان کی زیارت کی اجازت نہ دیں اور شرکیہ میلے جو ان بزرگوں کے نام پر قائم کئے جاتے ہیں انہیں یکسر موقوف کر دیں مگر جناب والا نے اس صورتِ حال کے خلاف کچھ بھی حرکت نہ کی گویا ان باتوں سے لاتعلق ہیں۔

مُردوں کی پوجا اور زندوں کی پُوجا:

اس کے بعد جناب ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔ بیسویں صدی کی "بُت پرستی" وہ پتھروں اور اموات کی پُوجا نہیں ہے بلکہ اس دور کے اوثان (بُت) وہ حکام ہیں جو اثر و نفوذ کے مالک بنے بیٹھے ہیں اور یہ "وثنیت" قبروں کو گرانے اور ان کی زیارت حرام کر دینے کی دعوت سے ختم نہیں ہو سکتی بلکہ

حاکم ومحکوم کے مابین مساوات کا شعور پیدا کرنے سے ختم ہوسکتی ہے۔

مگر ڈاکٹر صاحب کی یہ منطق بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ پتھروں اور مُردوں کی پرستش تو دنیا کے کونے کونے میں ہورہی ہے اور آج کا انسان گو علوم ومخترعات میں حیرت انگیز ترقی کر چکا ہے مگر اوہام و تخیلات کی دلدل سے تاحال نجات حاصل نہیں کرسکا۔ اور شاید جناب ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہو کہ مصر کے لوگ جس قدر زیادہ مہذّب ہیں اتنے ہی زیادہ اوہام وخرافات میں مبتلا ہیں۔ اور اس بات سے انکار۔ محسوسات اور واقعات سے انکار کے مترادف ہے جو ایک عامی آدمی کی شان کے بھی لائق نہیں چہ جائیکہ ڈاکٹر صاحب جیسا فلاسفر اس سے انکار کرے۔

وہابی تحریک مساوات کی تحریک ہے:

اب رہی یہ بات کہ موجودہ دور میں مُردوں کی نہیں بلکہ زندوں کی پرستش ہورہی ہے جو اصحاب جاہ وسلطنت ہیں۔ تو اُس کے جواب میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ "وہابیت" کے دائرہ میں اس کا وجود نہیں ہے کیونکہ یہ تحریک ہر قسم کی "وثنیت" کے خاتمہ کے لیے اُٹھائی گئی ہے اور اس کے نزدیک زندوں اور مُردوں کی پرستش میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا سعودی حکومت جو "وہابیت" کی علمبردار ہے وہ صحیح معنوں میں جمہوریت کے سائے میں چل رہی ہے۔ یہاں کے باشندے حاکم ومحکوم کے مابین فرق کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ ہر سعودی یہ سمجھتا ہے کہ حاکم جس مقام میں کھڑا ہے وہ رعایا کی مصلحت کے لیے ہے۔

جلالۃ الملک کی حیثیت:

سعودی بادشاہ کا رعایا سے وہی تعلّق ہے جو مشفق باپ کا اپنی اُولاد سے ہوتا ہے وہ ہر جمعرات کو ریاض میں اپنے ہموطنوں سے ملاقات کے لیے شاہی دربار میں بیٹھتے ہیں۔ لوگ سلام کے لیے جاتے ہیں۔ اور اپنی درخواستیں اور شکایات پیش کرتے ہیں۔ وہ حکومت کو غلبہ رفعت خیال نہیں کرتے بلکہ اُسے اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

اس سے پہلے ان کے والد مغفور لہ جلالۃ الملک عبدالعزیز جمہوریت اور قومیت کا اعلیٰ نمونہ تھے جب ہم کلیۃ الریاض ہی زیر تعلیم تھے تو ہر ہفتہ میں ان کے ساتھ ہم نشینی کا شرف حاصل کرتے وہ

بے تکلف ہو کر ہم میں بیٹھتے اور اسلام اور مسلمانوں کے متعلق مختلف موضوعات زیر بحث آتے۔

اور ہم افسوس سے عرض کرتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب موصوف وہابی تحریک کو جس وثنیت احیاء (زندوں کی پرستش) کا طعنہ دیتے ہیں وہ اپنی وزارۃ اوقاف کے زمانہ میں خود اس کا مظہر بنے رہے ہیں جبکہ وہ وزارت اوقاف کے افسران کے ساتھ اس قدر سختی سے پیش آتے کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

سلف صالح کا مذہب:

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب رقمطراز ہیں:

"یہ تحریک صفات الٰہی کے مسئلہ میں سلف صالح کے مذہب کی اتباع کی دعوت دیتی ہے یعنی صفات باری تعالیٰ پر ایمان رکھا جائے اور کیفیت اتصاف سے بحث نہ کی جائے۔ پس وہ نہ تو صفات کو معتزلہ کی طرح عین بالذات مانتے ہیں اور نہ ہی اشاعرہ کی طرح "لاعین ولاغیر" کے قائل ہیں"

(ھ) مگر یہ تحریک تو علی الاعلان یہ کہتی ہے کہ مسئلہ صفات میں مذہب سلف کی اتباع کی جائے لہٰذا اس میں کچھ بھی ابہام نہیں ہے بلکہ شاید اس دور میں تحریک اسلامی ہی وہ واحد جماعت ہے جو مذہب سلف کی علمبردار نظر آتی ہے اور مختلف رسائل میں اس کی نشر و اشاعت اور وسعت پھر اس پر عمل پیرا ہے خصوصاً جو قدیم و جدید کتابیں اور رسالے اس تحریک کی تائید میں طبع اور شائع کئے گئے ہیں ان میں اس امر کی وضاحت موجود ہے۔ اور سعودیہ کے جملہ مراحل تعلیم میں وہ کتابیں اور رسالے شامل درس ہیں اور اس معاملہ میں کسی دوسرے ملک کی مزاحمت گوارا نہیں کی جا سکتی۔

پھر اس کے بعد ڈاکٹر صاحب محترم کا یہ کہنا بے معنی سی بات ہے کہ "مسئلہ صفات میں یہ تحریک نہ تو اشاعرہ کے مذہب کی قائل ہے اور نہ ہی معتزلہ کے ہم نوا ہے۔

ڈاکٹر صاحب ہی بتائیں کہ مسئلہ صفات میں اگر تحریک نے ان مذاہب منحرفہ کو خیر باد دیا ہے اور سلف صالح صحابہ و تابعین اور ائمہ کے مذہب کے ساتھ تمسک کیا ہے۔ تو کیا تحریک کے لیے یہ کوئی عیب کی بات ہے اس سے قبل شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے تلامذہ بھی تو اسی نظریہ کے قائل تھے پھر تحریک نے اس مسئلہ میں کسی قسم کی پیچیدگی پیدا نہیں کی جیسا کہ دوسرے اصحاب مذاہب نے اُسے چیستان بنا دیا ہے اور نہ ہی اُسے مناقشات جدلیہ کا موضوع بنایا ہے بلکہ تحریک نے اس مسئلہ کو

سلف صالح کی طرح سادہ طریق سے لیا ہے اور متکلمین کی پیدا کردہ تعقیدات سے پہلے جو عقیدہ اسلامی تھا اسی پر عمل کیا ہے۔

"یہ تحریک تعمیری ہے تخریبی نہیں"

تحریک وہابیّت کے بنیادی اصُول پر ڈاکٹر صاحب موصوف کی تنقیدات کا جواب دینے کے بعد اب ہم بمشیت ایزدی نفس تحریک پر ان کے اعتراضات کا جواب دیتے ہیں۔ واللہ الموافق۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

فکری حیثیت سے اس تحریک کے جو عناصر ہم نے پیش کیئے ہیں اب ہم ان پر بحث کرتے ہیں۔

(الف) "اٹھارویں صدی عیسوی میں محمد بن عبدالوہابؒ نے حنبلی مذہب پر اس تحریک کی بنیاد رکھی اور چونکہ مذاہب اسلامیہ میں سے ایک خاص مذہب پر اس کی اساس قائم ہے لہٰذا یہ اسی مذہب کی ایک شاخ ہے اور اسی کی اتباع کا کردار ادا کر رہی ہے۔"

(ھ) ان الفاظ سے ڈاکٹر صاحب تحریک وہابیت پر حنبلی مذہب کی تقلید کا الزام لگانا چاہتے ہیں مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی حرف گیری نہیں ہے کیونکہ جس حد تک فقہی فروعی مسائل کا تعلّق ہے تحریک کسی پانچویں مذہب کا اضافہ نہیں چاہتی جیسا مخالفین اس پر طعن دیتے ہیں۔ بلکہ تحریک کا اصل مقصد تو اصُول عقائد کی تصحیح ہے۔ رہے فروعی مسائل تو یہ اتنے اہم نہیں ہیں کیونکہ اس پر اُمّت کا اجماع ہے کہ جس شخص میں اجتہاد کی صلاحیت نہ ہو اس کے لیے تقلید جائز ہے کیونکہ اُمّت کا ہر فرد تو مجتہد نہیں ہو سکتا۔[1]

پس محترم ڈاکٹر صاحب کا یہ الزام کہ تحریک کی اساس بھی ایک تقلیدی مذہب پر ہے صحیح نہیں ہے کیونکہ تحریک نے کبھی بھی تفضیلت یا غیر تفضیلت کی طرف دعوت نہیں دی ہاں یہ صحیح ہے کہ تحریک کے بانی رحمۃ اللہ فروع میں حنبلی تھے۔

---

[1] لیکن یہ تقلید جس کے جواز پر اُمّت کا اجماع ہے تقلید شخصی نہیں بلکہ تقلید مطلق ہے یعنی علماء سے مسئلہ دریافت کر کے اس پر عمل پیرا ہونا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنے رسالہ "عقد الجید" اور "الانصاف" میں اس پر منصفانہ بحث کی ہے تفصیل کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے اور پاک و ہند میں تحریک اہل حدیث نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں اس مسئلہ کو نہایت منقح انداز میں پیش کیا ہے۔ جن کے مطالعہ کے بعد اس مسئلہ میں التباس کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

لیکن اس کے ساتھ ہم گزارش کریں گے کہ اگر تحریک کے مؤسس مالکی یا شافعی ہوتے تو اصل وضع کے اعتبار تحریک پر اس کا کچھ اثر نہ ہوتا کیونکہ اس دعوت کے مخاطب مذاہب اربعہ کے ماننے والے ہیں۔ اور اس کا اصل مقصد عقائد کی تطہیر ہے اور خرافات و بدعات کے خلاف جنگ ہے۔ اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ موجودہ تحریک کسی خاص مذہب کی علمبردار نہیں ہے جیسا کہ ڈاکٹر صاحب دعویٰ کر رہے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ تحریک صرف حنبلی مذہب کے اتباع پر زور دیتی اور دوسرے مذاہب کے متبعین کو راہ راست پر لانے کی مساعی بروئے کار نہ لاتی۔

تحریک وہابیت اور مذہبی خصوصیت:

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

(ب) "جب تحریک مذہب سلف کی طرف رجوع کا اعلان کرتی ہے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو قیاس وعرف پر عمل سے دور کر دیا جائے، اور دائرہ تشریع میں رہ کر فقہی مسائل میں صرف کتاب و سنت صحیحہ کے نصوص کا التزام کیا جائے۔ دعوت کے اس طرز عمل سے ہی خصومت قائم ہوگئی ہے۔"

(ھ) یہاں پر ڈاکٹر صاحب تناقض کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اپنی پہلی تعلیق میں تو انہوں نے اس تحریک کو ایک خاص فقہی مسلک کی علمبردار قرار دیا تھا۔ اب یہاں پر یہ اعلان کر رہے ہیں کہ "وہابی تحریک" مذہب سلف کی طرف رجوع کی دعوت دیتی ہے۔ اس بنا پر قرآن و حدیث کے صحیح نصوص کے التزام پر زور دیتی ہے۔ اور دائرۂ تشریع میں قیاس وعرف سے لوگوں کو نفرت دلاتی ہے۔ پھر ان کے کلام میں ایک دوسرا تناقض بھی ہے یعنی وہ تحریک کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ وہ مذہب سلف کی طرف رجوع کی دعوت دیتی ہے اس لیے مذہبی خصومت کا شکار ہوگئی ہے" حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

علاوہ ازیں اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب کی ساری بحث ـــــ مقدمات و نتائج ـــــ ہی غلط ہے۔ کیونکہ تحریک اگر مذہب سلف کی طرف رجوع کی دعوت دیتی تو دعوت صرف اصول عقائد کی حد تک ہے اور ان اصول میں تمام سلف اہل بدعت ـــــ خوارج شیعہ، قدریہ، مرجئہ اور جہمیہ وغیرہم ـــــ کے مقابلہ میں متفق ہیں اور ان کے مابین کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔

اب رہے عملی فروعی مسائل تو اس میں سلف کسی خاص مذہب کے پابند ہی نہ تھے۔ لہٰذا تحریک

کسی خاص مذہب کی طرف دعوت دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ـــــ اسی طرح ڈاکٹر صاحب کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ تحریک لوگوں کو عرف وقیاس سے دُور ہٹاتی ہے کیونکہ یہ تو ظاہری فرقے (ابن حزم وغیرہ) کا مذہب ہے ہاں تحریک فقط امام احمد کے اس قول کو لیتی ہے کہ "حدیث ضعیف بھی ہو تو اسے قیاس پر تقدم حاصل ہوگا"

اب رہی "مذہبی خصومت" تو یہ نہ تو اس تحریک کے کسی فعل کی وجہ سے ہے اور نہ ہی یہ اس کے ہدف میں شامل ہے۔ بلکہ تحریک تو مسائل اختلافیہ میں تعصب سے کوسوں دُور ہے۔

اس کی دلیل کے لیے صرف یہی کافی ہے کہ مکہ مکرمہ کے کلیۃ الشریعۃ کے "دراسات علیا" میں "الفقہ المقارن" کے شعبہ میں فقہ حنبلی کے ساتھ دوسرے مذاہب فقہ پر درس دیئے جاتے ہیں۔

مذہب حنبلی کی خصوصیّت :

یہ حقیقت ہے کہ مختلف فقہی آراء کے قبول کرنے میں کوئی مذہب بھی حنبلی مذہب سے زیادہ وسیع الصدر نہیں ہے کیونکہ شاذ و نادر ہی کوئی فقہی مسئلہ ہوگا۔ مگر امام احمد سے اس میں دو باتیں قول مروی ہیں۔

لہٰذا حنبلی مذہب کے علماء کے سامنے آزادانہ طور پر ترجیح و اختیار کے لیے وسیع میدان موجود ہے جو کہ بعض اوقات مذہب کی حدود سے آگے نکل جاتا ہے چنانچہ حافظ ابن تیمیہ اور ابن القیم رحمہا اللہ کے اختیارات سے ظاہر ہے جن میں وہ جمہور حنابلہ سے منفرد نظر آتے ہیں۔

یہی روش ابن قدامۃ صاحب کتاب "المغنی" کی ہے کہ وہ اپنی کتاب میں ایک مسئلہ پر تمام مذاہب کا مع ادلہ ذکر کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد جو مذہب دلیل کے لحاظ سے اقوی ہوتا ہے اسے ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ حنبلی مذہب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

اس سے آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تحریک وہابیت میں مذہبی خصومت اور اس کے مظاہر کہاں نظر آتے ہیں۔

وہابیّت اور اسلامی ورثہ :

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :

"ابتداء سے یہ کوشش نہ کی گئی کہ یہ تحریک" عود علی بدء" کی مصداق بنتی یعنی تشریع و معاملات میں اسے فقہی مذاہب کی عصبیت سے پاک صاف کر دیا جاتا اسی طرح علمی طریق سے اللہ تعالیٰ کے تصور و اعتقاد کے سلسلہ میں اعتقادی مذاہب کی بھی چھان بین کر دی جاتی ہے۔

(ھ) جہاں تک ہمارے فہم کا تعلق ہے اس کلام سے ڈاکٹر صاحب وہابی تحریک سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ جمیع مذاہب فقہیہ اسلامیہ سے یکسر باغی ہو جائے اور ان مذاہب کی چھان بین کر کے" خذ ما صفا ودع ما کدر" پر عمل کرے یعنی جو صحیح ہو وہ اخذ کرے اور باقی ماندہ کو ترک کر دے تاکہ مذہبی عصبیت سے پاک صاف ہو جائے۔

تعجب ہے ایک فلسفی ڈاکٹر اس قسم کا مشورہ دے رہے ہیں حالانکہ وہ خود حریت فکر کے حامی ہیں اور باب اجتہاد کو کھلا رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک باب اجتہاد کو بند کر دینے سے جمود پیدا ہو جائے گا۔ اور زندگی کے نئے مسائل کے حل پر قدرت باقی نہیں رہے گی۔

اور وہابی تحریک اگر خدانخواستہ اس قسم کی حماقت کے لیے کمربستہ ہو جائے تو یہ تاریخ میں اس کی سب سے بڑی غلطی ہوگی۔ اور تمام عالم اسلام کو اپنا مخالف بنالے گی۔

اور اب جبکہ ڈاکٹر صاحب اس تحریک پر مذہبی تعصّب کا الزام لگاتے ہیں حالانکہ وہ اس تعصّب سے پاک ہے تو اس کے اس قسم کے اقدام کے بعد معلوم نہیں اُسے کس چیز کا نشانہ بنائیں گے۔ یعنی جب یہ تحریک ان مذاہب کی چھان بین کے لیے ایسی تخریبی کارروائی کرے گی حالانکہ یہ مذاہب اپنا تشخص اور احترام رکھتے ہیں اور ان کے حاملین ائمہ کبار ہیں جنہوں نے اجتہاد میں عمریں صرف کر ڈالیں اور پھر ہر مذہب میں تعلیل و استنباط اور موازنہ کے قواعد موجود ہیں۔

بلاشبہ" فقہ اسلامی" حیرت انگیز حد تک تشریعی مواد کو متضمن ہونے اور تکییف حوادث پر قدرت اور مہارت کے ساتھ متسم ہونے اور زندگی کے تقاضوں کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے اس اُمت کے بڑے کارناموں میں سے ایک کارنامہ شمار ہوتا ہے جو کہ تشریعی پہلو میں اس کے اصلی اور سنجیدہ ہونے کی شہادت دے رہا ہے۔ پھر اس اسلامی تحریک سے جو تخریب نہیں بلکہ تعمیر کے لیے وجود میں آئی ہے، یہ کیسے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اس عظیم اسلامی ورثہ کو ختم کر دے گی اور اپنی پیشانی پر ہمیشہ کے لیے کوتاہ نظری اور فکری تنگ دامنی کا داغ لگالے۔

اور پھر ڈاکٹر صاحب اس تخریب کی دعوت کیوں دیتے ہیں جبکہ وہ حرکت فقہی اور اس کے تطور کی مدح سرائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"یہی حال عالم ثالث یعنی زندگی کے مسائل کا مقابلہ اور مجتمع اسلامی کے تطور کا ہے، اس عالم کے ساتھ بھی اسلام کا تفاعل زرخیز اور نتائج آور رہا۔"

اور انہوں نے اسلام کے مبادی میں لچک پر اجتہاد اور زندگی کے نئے مسائل پر مستوعب ہونے کو بطور دلیل پیش کیا ہے پس فقہ اسلامی میں کثرت مذاہب و مدارس اسلام کے حوادث کو متکیف کرنے کی وسیع کوشش پر دال ہیں۔

اور فقہ کے بعض اصولوں اور مراجع، جن کی طرف احکام حوادث کو لوٹایا جاتا ہے۔ میں اختلاف کا منشا صرف اختلاف کرنے والوں کی اس حرص کا نتیجہ ہے کہ اسلامی جماعت اس صفت کے ساتھ باقی رہے کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی کے منہاج میں اسلام پر عمل پیرا ہو۔

اب وہ اختلاف جو اللہ تعالیٰ کے تصور اور اس پر اعتقاد میں پایا جاتا ہے اس بارے میں اس مبارک تحریک نے ابتداء ہی سے "عود علی بدء" کا کردار ادا کر دیا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر صاحب چاہتے ہیں۔ چنانچہ لوگوں کو اسلام کے ابتدائی سادہ اور پاکیزہ عقیدہ کی طرف لوٹا دیا ہے۔ اور عقیدہ کی جانب میں مذاہب و مقالات نے جو بھی بدعات پیدا کی ہیں۔ ان سے جنگ کی ہے۔ اور اس جہت میں تحریک کا نشانہ بلاشبہ اس بڑی اصلاحی تحریک کی نقل ہے جو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے شروع کی تھی۔

تقلید نہیں بلکہ حق کی خاطر حق سے موافقت ہے :

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :

(د) وہابی تحریک کوئی تجدیدی تحریک نہیں ہے جو عقیدہ، تشریع معاملات اور فقہ عبادات میں مذاہب اسلامیہ کی قیمت کے بیان پر بالاستقلال مشتمل ہو، بلکہ یہ اس معاملہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تحریک کی مقلد ہے اور اس تحریک کو اپنے نقد اور ہدم و بنا میں استمرار حاصل نہیں ہے۔

(ہ) معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب کو اس تحریک پر تقلید و تبعیہ اور عدم ابتکار و تجدید کا الزام لگانے پر کیوں اصرار ہے۔ حالانکہ تقلید علی الاطلاق مذموم نہیں ہے اور نہ ہی تجدید علی الاطلاق ممدوح ہے۔ پھر

تحریک کی غلطیوں کے شمار میں ڈاکٹر صاحب کو کیوں شغف ہے اور اس سے ان کا مقصد کیا ہے کیونکہ جو چیز ڈاکٹر صاحب چوتھی مرتبہ دھرا رہے ہیں وہی پہلی، دوسری اور تیسری مرتبہ بیان کی ہے۔

پھر ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا کہ تحریک وہابیت ایک دوسری تقلید کا نام ہے اور یہ تجدید نہیں ہے جو مذاہب فقیہہ کی قدر و قیمت کے بیان پر علی الاستقلال مشتمل ہو۔

(ھ) اس کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ اس تحریک سے کچھ تعلق نہیں ہے اور نہ ہی تحریک اس مقصد کے لیے اٹھائی گئی ہے اس تحریک کا تو تمام تر مقصد یہ ہے کہ توحید کو شرک کی میل کچیل سے پاک و صاف کیا جائے اور عقیدہ کی حد تک مذہب سلف کو زندہ کیا جائے۔

مذکورہ بالا مقصد حاصل کرنے کے لیے اگر تحریک نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی تالیفات سے استفادہ کیا ہے تو یہ تقلید نہیں ہے۔ بلکہ حق کی خاطر حق سے موافقت ہے اور اس کی مثال بعینہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کسی مغربی فلاسفر کے نظریہ کا مطالعہ کریں پھر اگر ان کو وہ پسند آجائے اور دراست و تامل کے بعد اس کی صحت کا یقین کر لیں تو اُسے صاحب نظریہ فلاسفر کی تقلید نہیں کہا جائے گا۔

تقلید کی حقیقت:

تقلید کے معنی تو یہ ہیں پہلے لوگوں کے مسائل کو ان کے ادلّہ پر غور کے بغیر کما ہی مان لیا جائے ورنہ دلیل و اقتناع کی بنا پر ان کے تسلیم کر لینے کو تقلید نہیں کہتے۔

اگر بالفرض اسے تقلید مان بھی لیا جائے تو تحریک پر یہ عیب نہیں ہے۔ کہ حق میں کس کی تقلید کرے اور حق کے معاملہ میں پہلے لوگوں کے نقشِ قدم پر چلے۔

پھر ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ "تنقید یعنی ہدم بنا میں یہ ابن تیمیہ کی تحریک کا امتداد نہیں ہے" کیونکہ عقائد کے باب میں مذاہب منحرفہ یعنی معتزلہ، جہمیہ، اشعریہ اور مرجئہ وغیرہ کے مقابلہ میں تحریک کا موقف بعینہ ابن تیمیہ کا موقف ہے یعنی ان مذاہب کی تردید کرنا اور ان کے ابطال میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا۔ پھر یہ تحریک ایک ایجابی پہلو میں بھی حافظ ابن تیمیہ کی ہم موقف ہے یعنی مذہب سلف کی احیاء اور بیان کی طرف دعوت دینا اور اس کے اثبات پر دلائل قائم کرنا تحریک کا مقصد ہے۔

یہاں پر یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اگر ڈاکٹر صاحب اس تحریک کے مؤسس اور ان کے بعد علماء کی

تالیفات کا مطالعہ کر لیتے تو تحریک پر جمود و سلبیت کا الزام نہ لگاتے اور اس کے متعلق ان کا نظریہ تبدیل ہو جاتا اور اس پر فتویٰ لگانے میں سختی سے کام نہ لیتے۔

دعوت کے کارناموں سے ایک کارنامہ :

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب اپنے پہلے بیان پر استدراک کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"اسے گو تقلید یا طور تقلید کا استمرار سمجھا جائے تاہم اس کا یہ امتیاز ماننا پڑے گا۔ کہ اس نے ابن تیمیہ کے آراء کی حفاظت کی ہے اور چار صدیوں کے بعد اٹھارھویں صدی میں اس تحریک کی وجہ سے جو پذیرائی انہیں حاصل ہوئی ہے اس سے پہلے حاصل نہ ہوئی تھی۔"

(ھ) ڈاکٹر صاحب کے اس کلام میں ہمیں دعوۃ وہابیہ کے متعلق کچھ انصاف اور تعریف نظر آتی ہے کہ اس نے ابن تیمیہ کے آراء و افکار کی نشر و اشاعت کر کے انہیں پھر سے زندہ اور محفوظ کر دیا ہے۔

ابن تیمیہ کی کتابیں :

یہی اس دعوت کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ جو قدر و عزت کے طور پر اس کے لیے ذکر کیا جاتا ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے رسائل و تالیفات اہمال و نسیان کے ریگستان میں مدفون ہو چکے تھے اور اہل بدعت و الحاد کو یہ کبھی گوارہ نہ تھا کہ وہ روشنی دیکھیں اور عالم اسلام کو راہ راست کی طرف متوجہ کرنے میں عظیم کارنامہ سرانجام دیں۔

بلکہ ان کتابوں کی قرأت و دراست سے وہ سخت ہراساں تھے اور ان کتابوں کو کتب فلاسفہ کا درجہ دے کر ان کے ساتھ استنجا تک کو جائز قرار دیتے تھے۔

تحریک کا قابل فخر کارنامہ :

جب یہ مبارک تحریک شروع ہوئی تو اس نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے تلمیذ ابن القیم کے متروکہ دینی ذخیرہ کی تلاش شروع کر دی اور اس دعوت کے ذمہ دار لوگوں نے طبع و نشر کے ذریعہ ان خزانوں کو ظاہر کرنا شروع کر دیا۔

جلالۃ الملک عبدالعزیز غفر اللہ لہ وا جنرل منتو بنتہ نے اس سلسلہ میں بہت بڑا تعاون کیا حتیٰ کہ شیخین کی کتابوں سے مجموعی اور شخصی مکتبے بھر گئے۔

اور عقیدۂ سلف جو کہ کتب کلامیہ کے گوشوں میں چھپا ہوا تھا اور اُسے حشویہ اور عوام کا مذہب خیال کیا جاتا ہے۔ شیخین کی کتابیں پڑھنے کے بعد اسے قیادت و توجیہ کے لیے صحیح مرکز مل گیا۔ اب ان ہر دو امام کی کتابیں ہی ہر اس شخص کے لیے صحیح الفکر اور خواہش و تقلید کی آلائش سے پاک ہو کر رہنمائی کے لیے روشنی کے مینار کا کام دے رہی ہیں اور اعلیٰ سوسائٹیوں اور مجالس علمیہ میں ان کی آراء کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

یہ تحریک احیاء و تجدید کے ساتھ ممتاز ہے:

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"یہ تحریک ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی آراء کو آئندہ نسلوں تک پہنچنے کے لیے ایک پل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور سعودی حکومت کی تائید و حمایت نے اسے بقاو استمرار کی قوت عطا کر دی ہے۔"

(ھ) ہم ڈاکٹر صاحب محترم کی اس رائے سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ آئندہ نسلوں تک حافظ ابن تیمیہ کی آراء پہنچنے کے لیے وہابی تحریک محض ایک پل کی حیثیت رکھتی ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ شیخ الاسلام کی آراء، نظری جہت سے، اس تحریک کے لیے ایک جزو اساسی کی حیثیت رکھتی ہیں کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنا ایک کو دوسرے سے اجنبی خیال کرنا ممکن نہیں۔

ہاں ڈاکٹر صاحب کی یہ بات بالکل بجا ہے کہ سعودی حکومت کی تائید و حمایت نے اس تحریک کو بقاو استمرار کی قوت عطا کر دی ہے۔

بلاشبہ امیر محمد بن سعود نے۔ حرسہ اللہ۔ تحریک کے بانی (رحمہ اللہ) سے جو عہد کیا تھا کہ وہ تحریک کی حمایت کرے گا۔ اور مخالفین تحریک۔ معطلہ، قبر پرست، صوفیہ کا مقابلہ جاری رکھے گا سعودی خاندان نے اس کی کما حقہٗ پاسداری کی ہے۔

ہاں اس تحریک کے بقاء و استمرار کا انحصار صرف سعودی خاندان کی حمایت پر ہی نہیں ہے بلکہ اس میں تحریک کی ذاتی قوت، آل شیخ کی مساعی جمیلہ اور علمائے دعوت کی توصیفات اور مدافعت کا بھی حصہ ہے۔

اس کے بعد حضرت الدکتور رقمطراز ہیں۔

"اس بنا پر شیخ الاسلام کے بعد" وہابی تحریک" سمجھی جاتی ہے جس نے تنقید کے بیج اپنے اندر اُٹھائے اور انیسویں صدی کی دوسری اسلامی تحریکات کو پیش کر دیئے، بایں وجہ یہ تحریک دوسری تحریکوں کے لیے "تمہید" شمار ہوتی ہے۔ جب کہ اپنے مابعد زمانوں کے لیے ایک طرح کی "تقدمتہ" سمجھی جاتی ہے کیونکہ اس کے ساتھ بھی تنقید کی چھاپ تو ہے۔ گو اس نے نمایاں کردار ادا نہیں کیا۔

یہاں پر ڈاکٹر صاحب نے تحریک نے جو گزشتہ دور میں جو عظیم کردار ادا کیا اور مستقبل میں دعوت اسلامی کے احیاء اور مفاہیم اسلامیہ محرفہ کی تصحیح میں جو کردار ادا کرے اُس کے متعلق اچھے خیالات کا اظہار کیا ہے اور بتایا ہے کہ تحریک کا یہ کارنامہ زمانۂ بعد کی حرکات کی تقدمیہ کے لیے اساسی سمجھا جائے گا۔

د۔ہراس:

جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے اعتراف کیا ہے کہ موجودہ تحریک احیاء و تجدید کے ساتھ ممتاز ہے اور بے لوث تنقید کی اساس پر قائم ہے لیکن ہم اس بات میں ڈاکٹر صاحب سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ تحریک نے اپنے اندر تنقید کے بیج اُٹھائے تاکہ دوسری تحریکات اسلامیہ کے سپرد کر دے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ تحریک محض ناقل اور واسطہ ہے اور اس نے بذاتِ خود تنقید کی تحریک نہیں اُٹھائی اور نہ ہی اسے ترقی دی ہے۔

حالانکہ یہ چیز سب سے زیادہ اہم ہے جس کا تحریک نے اہتمام کیا ہے کیونکہ تحریک کے مخالفین کی کثرت تھی۔

ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وقت و عمق کے اعتبار سے یہ تحریک اسلوب میں اس درجہ کو نہیں پہنچ سکی جو حافظ ابن تیمیہؒ نے اختیار کیا تھا۔ کیونکہ تحریک کی نشأت ایسی فضا میں ہوئی ہے جس میں دراسات فقہ اور اسلوب مناظرات کی نہایت کی تھی۔

دو غلطیاں:

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔

"یہ معلوم ہے کہ شیعہ کی تردید کے وقت حافظ ابن تیمیہ کے پیش نظر غالی شیعہ ہیں جسے وہ رافضی کا نام دیتے ہیں۔ اور ان میں سے بھی وہ خاص طور پر باطنی یا تعلیمین فرقہ پر تنقید کرتے ہیں۔ بایں ہمہ جب وہابی تحریک ابن تیمیہ کے اتجاہ کی حوادث بنی تو شیعہ سُنّی کے مابین اختلاف وسعت اختیار کر گیا اور اس نے شیعہ کی علی الاطلاق تصویر کھینچنے میں غلو سے کام لیا اور اس طرح اٹھارھویں صدی میلادی سے شیعہ اور سُنّی کے درمیان نہ ہی نزاع کی خلیج وسیع تر ہو گئی بلکہ اس اختلاف نے شِدّت اختیار کر لی اس طرح شدّت اختلاف کا وہابی تحریک پر سلبی اثر پڑا۔"

ڈاکٹر صاحب نے یہاں پر دو غلطیاں کی ہیں۔ پہلی غلطی کا تعلق ابن تیمیہ سے ہے اور دُوسری غلطی کا تعلق وہابی تحریک سے ہے۔

ابن تیمیہ کے متعلق ڈاکٹر صاحب کا یہ ریمارک صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے صرف غالی شیعہ کی تردید کی ہے جو کہ رافضی ہیں اور خصوصیت کے ساتھ تردید کرتے وقت باطنی اور تعلیمیہ فرقہ کو پیش نظر رکھا ہے"۔ کیونکہ حافظ ابن تیمیہ تشیع کی کسی شکل کو غالی ہوں یا معتدل، صحیح نہیں مانتے بلکہ اسے جادۂ حق سے انحراف اور مومنین کے راستہ کے خلاف کی اتبّاع قرار دیتے ہیں۔

خصوصاً جبکہ تمام شیعہ اپنے مبادی عامہ پر مشترک نظر آتے ہیں رُوح اسلام سے دُور ہیں مثلاً رجعت کا عقیدہ، تقیہ، عصمت ائمہ اور صحابہ کرام کی مذمت وغیرہ۔

تحریک وہابیت کے متعلق ان کی غلطی یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے خیال میں مذکورہ تحریک نے شیعہ سُنّی کے مابین اختلاف بڑھا دیا ہے۔ شیعہ کی عمومی تصویر کھینچنے میں غلو سے کام لیا ہے اور غالی اور معتدل کے درمیان تفریق نہیں کی۔

(۵) ہمارے نزدیک وہابی تحریک نے شیعہ کے متعلق وہی عام اہل سُنّت کا موقف اختیار کیا ہے اور یہ کہ تحریک نے اہل بیت کے متعلق شیعہ کے غلو اور انہیں انسانی سطح سے بالا سمجھنے کی مخالفت کی ہے۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ وہابی تحریک شیعہ کے ساتھ مصنوعی اتحاد کے ورطہ میں نہیں گری جیسا کہ مصر میں "جماعت التقریب" اس ورطہ میں گر گئی تھی۔ جس کے ڈاکٹر صاحب بھی رکن تھے۔ کیونکہ شیعہ کے

میں جو بدعات ہو رہی ہیں ان پر خاموش رہے۔ مُردوں سے استعانت و توسل کے لیے ان کی طرف شدِ رحال کی اجازت دے دے حالانکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس چیز سے صراحت کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

لا تشد الرحال، الا الی ثلاثۃ مساجد: مسجدی ھٰذا والمسجد الحرام والمسجد الاقصٰی۔

کہ سامان سفر نہ باندھا جائے مگر تین مسجدوں کی طرف: میری مسجد اور مسجد حرام اور مسجد اقصٰی۔

اب رہی سیاسی حکومت، تو اس نے وہی حکم نافذ کیا ہے جو اس تحریک کے علماء نے فرمایا ہے، یعنی اوامر شریعت کی تنفید کے لیے قبوں کو زمین بوس کر کے برابر کر دینا۔ اس میں اموات کی بے حرمتی نہیں ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر صاحب الاپ رہے ہیں، کیونکہ وہابی۔ علماء ہوں یا حکام۔ ان اموات کے احترام کو خوب سمجھتے ہیں۔ اور جو لوگ قبروں کے نشانات پر مصنوعی رونا روتے ہیں۔ وہابی ان سے کہیں زیادہ ان قبروں کا احترام کرتے ہیں۔

قبروں کے ازالہ اور مُردوں کی بے حرمتی کے باہم ربط سے ڈاکٹر صاحب کا یہ مقصد معلوم ہوتا ہے کہ تحریک کے خلاف عوام کے جذبات کو انگیخت کیا جائے اور لوگوں کے سامنے تحریک کی وہ تصویر پیش کی جائے جس سے ان کے دلوں میں نفرت پیدا ہو۔

معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب اب کس شخص کی مصلحت کے لیے یہ بات کہہ رہے ہیں حالانکہ ان قسم کے معمولات پر پچاس سال کے قریب گزر چکے ہیں۔

اصلاحی تحریک یا علمی اکادمی:

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"اگر وہابی تحریک جماعت اسلامی کے مختلف مذاہب کے بارے میں آراء اسلامیہ کی چھان بین کرتی اور اس مقصد تک پہنچنے کے لیے علمی تحریک کے ایجاد پر مساعدت کرتی پھر اپنا رُخ فکر معاصر اور موجودہ حضارت کی طرف پھیرتی اور ان دونوں کی مدد سے اختلاف و تحزب سے قبل کے کتاب و سُنّت کے مطابق ایک موقف اختیار کر لیتی۔

اگر تحریک یہ کام کر پاتی تو اسے ایک علمی اسلامی تحریک کے بنانے میں مفید ثابت ہوتی۔ اسی طرح رائے اسلامی کو مقومات سلبیہ کے ساتھ متور کرنے میں مفید ہوتی۔ جسے کہ کتاب وسُنّت کی میزان گوارا نہیں کرتی۔ پھر اس سے تیسرا فائدہ یہ ہوتا کہ جزیرہ عرب میں عربی قوم کے اندر اجتماعی اور توجیہی بیداری ہو جاتی اور اسلامی بنیادوں پر قائم ہونے والی نئی حکومت کے لیے ایک واضح عنوان بن جاتا۔"

(۵) مجھے ڈاکٹر صاحب پر تعجب ہے کہ وہ ایک دینی اصلاحی تحریک سے جو محدود مقاصد حاصل کرنے کے لیے اُٹھی ہے۔ ان فرائض کے سرانجام دینے کا کیسے مطالبہ کرتے ہیں جو ایک علمی اکادمی بھی سرانجام نہیں دے سکتی۔

وہ تحریک کو صرف آراءِ اسلامیہ کی چھان بین کرنے کا ہی مکلف نہیں کرتے بلکہ چاہتے ہیں کہ وہ مذاہب معینہ کی ہی نہیں بلکہ جماعت اسلامیہ کے مذاہب مختلفہ کی چھان بین کا فریضہ سرانجام دے۔

میں نہیں سمجھ سکا کہ اکیلی وہابی تحریک اتنے بڑے کام کا بیڑا کیونکر اُٹھا سکتی ہے اور ڈاکٹر اپنی اس خیالی تجویز کو جامعہ ازہر میں کیوں نہیں لے گئے۔ جبکہ وہ اس کے مدیر تھے۔ اور اس میں تحریک کے بطل سمجھے جاتے تھے۔

اب رہی اس تحریک کی حرکت علمیہ کی مساعدت، تو ڈاکٹر صاحب کو خوب معلوم ہے کہ مملکت میں حرکتِ علمی ربع صدی سے جاری ہے۔

ڈاکٹر صاحب جب بحوث کے مدیر تھے تو مملکت کے کلیات اور معاہد میں پورے اختیارات کے ساتھ درس دیا کرتے تھے۔ اور ان پر متعدد طلبہ تخرج کر چکے ہیں اس وقت مملکت میں تین جامعات ہیں جو متعدد کلیات (کالجوں) پر مشتمل ہیں اور مکہ کے کلیۃ الشریعۃ میں بھی "دراسات علیا" کی شاخ کھول دی گئی ہے (جو کہ جامعہ الملک عبدالعزیز کا ایک کالج ہے) جس کے تین شعبے ہیں۔

(الف) شعبہ عقیدہ جس میں کلامی فرقے ادیان اور عصر حاضر کی فکری تحریکوں کا درس دیا جاتا ہے اور حافظ ابن تیمیہ کی طرز پر تمام کلامی اور فلسفی مذاہب ونحل پر مناقشہ کیا جاتا ہے۔

(ب) شعبہ فقہ واصُول فقہ: جس میں فقہ کے جملہ فروع کا تقابلی درس دیا جاتا ہے اور تمام آراء فقیہہ کی تمحیص کی جاتی ہے اس میں کسی خاص مذہب کا تعین نہیں ہے بلکہ جس کی دلیل صحیح اور حجت قوی ہو اسی کو اختیار کر لیا جاتا ہے۔

(ج) شعبہ کتاب وسنت: اس شعبہ میں تفسیر پر تحلیلی درس دیا جاتا ہے نیز قرآن وسنت مطہرہ کے تمام علوم پڑھائے جاتے ہیں۔

ان شعبوں سے متعدد طلبہ کی کھیپ ماسٹر کی ڈگری حاصل کر چکی ہے اب ایک لائحہ عمل ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے وضع کیا گیا ہے جس پر آئندہ سال عمل درآمد شروع ہو جائے گا انشاء اللہ۔

اور حال ہی میں عربی ادب ولغت کی دراسات علیا کے لیے ایک نیا شعبہ کھول دیا گیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مملکت میں بحمد اللہ علمی حرکت نہایت تیزی سے جاری ہے اور اس کے نتائج حوصلہ افزا ہیں اور آئندہ بھی کامیابی کے ساتھ چلتی رہے گی۔

وہابی تحریک اور عصری افکار:

پھر ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں: "پھر یہ تحریک عصری حضارت وفکر کی طرف توجہ دے"

(۵) معلوم نہیں کہ ایک دینی اصلاحی تحریک عصری حضارت سے کیا کچھ استفادہ کرے گی جب کہ مشرق ومغرب میں یہ حضارت مادی بنیادوں پر قائم ہے۔ یہی حال عصری افکار کا ہے یہ ملحدانہ افکار جن کی بنیاد ڈارون، سپنسر، شاخت اور سارتر کے مبادی پر ہے۔ ان سے تحریک کیا حاصل کر سکتی ہے؟

پھر کتاب وسنت کی روشنی میں موجودہ حضارت وافکار کے مقابلہ میں تحریک اس کے سوا کیا موقف اختیار کر سکتی ہے کہ ان پر انکار واحتقار کے تیر برسائے اور ان میں جو زہر ہلاہل پایا جاتا ہے اس کی نشان دہی کرے اور مسلمانوں کو متنبہ کرے کہ کہیں ان کی چمک دمک سے دھوکا نہ کھا جائیں۔

ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ فلاسفر ڈاکٹر کے ذہن میں یہ خیال کیسے کود آیا کہ انہوں نے وہابیت کے علمبرداروں اور دعاۃ کو بڑے فلسفی تصور کر لیا اور آراء اسلامیہ کی چھان بین کے علاوہ ان سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ مغربی فلسفوں کو درست کرنے کے لیے بھی کتاب وسنت کی روشنی میں اپنے ترازو نصب کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ عصری فلسفے اور افکار، جن کی طرف ڈاکٹر صاحب تحریک سے متوجہ ہونے کا مطالبہ کر رہے ہیں، ان میں کوئی قیمتی فکر کی چیز نہیں ہے، حتیٰ کہ وہابیت یا کوئی دوسری اسلامی تحریک ان سے استفادہ کی محتاج ہو، اسلام فکری اور نظری جہت میں ان تمام فلسفوں سے

بے نیاز ہے اور اسے دوسروں سے کچھ حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ بلکہ اگر دوسرے اپنے افکار کی تقویم و تصحیح کرنا چاہیں تو انہیں ہم سے استفادہ کی ضرورت ہے ۔

ہاں صنعت اور ٹیکنالوجی کے میدان میں وہ آگے نکل گئے ہیں لہٰذا اس میدان میں ترقی کے لیے اگر ہم ان سے استفادہ کریں تو اس میں کچھ نقصان نہیں ہے ۔ بلاشبہ ایک علمی اسلامی حرکت کی بقا فلاسفہ مغرب کے مذاہب و افکار پر موقوف نہیں ہے کیونکہ یہ مذاہب و افکار کسی بھی اسلامی تحریک کے لیے مبادی اور مقومات بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے ، اس لیے کہ ان کی بنیاد " خالص لادینیت " پر ہے ۔

حرکت علمیہ اور سعودی مملکت :

بایں ہمہ سعودی مملکت میں علمی حرکت ، عصری حضارت و فکر سے استفادہ کرنے میں غافل نہیں رہی ۔ اس نے اپنے بہت سے ابناء کو امریکہ اور یورپ کی یونیورسٹیوں میں بھیجا تاکہ فلسفہ کی مختلف فروع میں تخصص کریں ان میں سے بہت سے علماء تکمیل دراست کے بعد اپنے وطن لوٹ آئے ہیں اور مملکت کی یونیورسٹیوں میں تدریس کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں اور مختلف جہتوں سے اپنے تخصصات کی اہلیت سے مستفید کر رہے ہیں ۔

اب رہا ان فلسفوں کے مقومات سلبیہ جو کتاب و سنّت کی میزان کے خلاف ہوں ان سے اسلامی رائے کو متنوّر کرنا ، تو یہ اب دعوت کے مقاصد میں شامل ہے ۔ جس کے حصول کے لیے مختلف وسائل سے کام لیا جا رہا ہے ۔ چنانچہ اسلامی شعور بیدار کرنے ۔ اجنبی خیالات سے خبردار کرتے اور ان میں جو زہر اور انحراف پایا جاتا ہے ، اس کے بیان کرنے کے لیے سر توڑ کوششیں کر رہی ہے ۔

ڈاکٹر صاحب کا ارشاد گرامی ہے : " تیسری بات یہ کہ تحریک جزیرۂ عرب میں شعب عربی میں انقلاب کے لیے کام کرے ۔ "

اس پر ہم گزارش کریں گے کہ ڈاکٹر صاحب کے ارشاد گرامی کی واقعات سخت تردید کر رہے ہیں وہ ترقی جس میں اب عربی قوم زندگی بسر کر رہی ہے ۔ وہ اپنی تیز رفتاری میں زمانہ سے بھی سبقت کر گئی ہے اور حیرہ کن سرعت سے تمام مواقع اور رکاوٹوں کو پھلانگ کر آگے گزر گئی ہے ۔ جس نے آج سے بیس سال قبل اس قوم کو دیکھا ہے ۔ اس کی آج کی حالت پر نظر ڈالے تو وہ ان عظیم انسانی کوششوں کو جو

علمی، اعلامی، صحی اور اجتماعی میدانوں میں کی جارہی ہیں اور نوجوان تعمیر و ترقی کے راستہ کو سُرعت کے ساتھ طے کر رہے ہیں تو اسے یقین نہیں آئے گا۔ کہ یہ آج سے بیس سال پہلے والی قوم ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ترقی عام ہے جو اپنے تمام مظاہر و صور میں تخلف سے برسرِپیکار ہے اور نہایت سکون و ثبات کی حالت میں آگے کی طرف چھلانگیں لگا کر بڑھ رہی ہے۔ جس کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ نئی حکومت کے لیے جو اسلامی بنیادوں پر قائم ہوئی ہے ایک واضح عنوان رکھتی ہے۔

اور پھر تعجب ہے کہ ایسی بات صرف ترقی کے ابتدائی دو سالہ دور کے بارے میں کہی جارہی ہے جس کے متعلق کہ فیصل کے عظیم دورِ حکومت کے سایہ میں سعودی حکومت بھی شہادت دے رہی ہے۔

معلوم نہیں ہمارے ڈاکٹر صاحب کہاں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کہ ترقی کا جو غلغلہ بلادِ عربیہ اسلامیہ میں ہی نہیں بلکہ غربی ممالک یورپ اور امریکہ میں دور و نزدیک کے کانوں میں پڑ چکا، ان کے کان اس سے بہرے ہو رہے ہیں۔

تحریک کا مقصد تصحیح و تقویم ہے،

پھر اس کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"وہابیت کے تشدّد کی وجہ سے اس کے اور دوسرے مسلمانوں کے مابین اختلاف بڑھ گیا ہے خصوصاً اس کے اور ان قوموں کے اکثریتی گروہوں کے مابین اختلاف کی خلیج وسیع تر ہوگئی ہے۔"

(ھ) اب یہاں پر ڈاکٹر صاحب نے پھر وہی مکروہ نغمہ الاپنا شروع کر دیا ہے۔ اور تحریک پر تشدّد کا الزام دھر دیا ہے۔ کہ اس نے مسلمانوں کے مابین اختلافات بڑھا دیئے ہیں۔

اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اختلاف کی خلیج کو پاٹنے کے لیے تحریک پر ضروری تھا کہ وہ ان بدعات و منکرات کو دیکھ کر خاموش رہتی اور جمہور مسلمانوں کو راضی رکھتی۔ لیکن اس صورت میں تحریک کی اہمیت کیا رہتی اور "ایک تحریک" ہونے کی حیثیت اُسے کیا نام دیتے۔؟

وہ تحریک جو اصلاح و تسدید کے لیے اُٹھی ہے اس سے یہ کیسے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ محض اختلاف سے بچنے کے لیے انحرافات کو دیکھ کر خاموش رہے گی؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصَارٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۔ (البقرہ)

کہ یہود وانصاری تجھ سے خوش نہیں ہو سکتے تاآں وقتیکہ تم ان کی ملت کی پیروی کرو۔

یہی حالت عام مسلمانوں کی ہے کہ جب تک ان کی خواہشات کا ساتھ نہ دیا جائے اور ان کے رسم ورواج کی تعریف نہ کی جائے وہ راضی نہیں ہوتے ۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ بات مشرکین کی اس بات سے ملتی جلتی سی ہے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی تھی ۔

اِنَّكَ قَدْ جِئْتَ بِأَمْرٍ خَالَفْتَ بِهٖ قَوْمَكَ وَ فَرَّقْتَ بِهٖ جَمَاعَتَهُمْ۔

کہ تم ایسی چیز لائے ہو جس میں تم نے اپنی قوم کی مخالفت کی ہے اور ان کی جماعت میں تفریق پیدا کردی ہے ۔

تو کیا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم حق و ہدایت کو محض ان کے اس کہنے پر چھوڑ سکتے تھے تاکہ قوم میں مخالفت پیدا نہ ہو اور ان کی جماعت میں تفریق نہ ہو جائے ؟

تعجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب جیسے فلاسفر ایسی بات کہہ رہے ہیں، جو یہ جانتے ہیں کہ اصلاحی دعوتوں کی ہمیشہ سے مخالفت ہوتی آئی ہے اور مخالفین کی طرف سے ان پر غیظ وغضب کا اظہار ہوتا رہا ہے لیکن ایسی باتیں نہ تو دعوت کو چھوڑ دینے کا جواز بن سکتیں ہیں اور نہ ہی عوام کو راضی رکھنے کے لیے ان میں تہاون سے کام لیا جا سکتا ہے ۔

بلاشبہ وہابی تحریک نے اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تشدّد سے کام لیا ہے اور اس سلسلہ میں لوگوں کی رضا ، و سخط کی پرواہ نہیں کی اور نہ اس نے لوگوں کے مابین اصلاح کی خلیج وسیع کرنے کے لیے ایسا کیا ہے ۔

لیکن جو تحریک بدعات ومنکرات کے ازالہ کے لیے اُٹھی ہو اور اصلاح وتجدید کے لیے وجود میں آئی ہو، ضروری ہے کہ اس کے اور ان گروہوں کے مابین اختلاف ہو، جو ضلالت وانحراف پر جامد رہنا چاہتے ہیں ۔

پھر ڈاکٹر صاحب کی یہ بات بے معنی سی ہے کہ "خصوصاً وہابیت اور جماہیر کے درمیان "

ہم پوچھتے ہیں کہ عوام اور ان کے پراگندہ جذبات کو کب کوئی وقعت ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کا میزانِ حق میں رکھنا ضروری ہو اور جس کے پیش نظر دین کے واجبات اور نصوص کی تصریحات کو چھوڑا جا سکتا ہو۔



وہابی تحریک
نظری جولانگاہ اور تطبیق عملی کے درمیان

دعوت اور اس کی تطبیقی تفسیر:

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :

"تحریک وہابیت کی کتاب وسنّت کی طرف دعوت کے ساتھ اس کی تطبیقی عملی تفسیر نے اسے وضع اور ہدف سے دُور کر دیا جو حافظ ابن تیمیہ کے دور میں تھی۔

"اس کی تفسیر تطبیقی عملی" اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے، کہ یہ اس بدوی زندگی کی طرف دعوت ہے۔ جو پہلی اسلامی جماعت کے عہد میں تھی اور یہ واضح اسلام کی طرف دعوت نہیں ہے۔ جس کا قرآن اور سُنّت صحیحہ نے خاکہ پیش کیا ہے۔ کیونکہ اصل اسلام وہ ہے جو حضارت صناعی کا ساتھ دے اور انسانی زندگی میں بلند سطح کا خواہاں ہو اور جماعت کا صحیح ڈھانچہ تیار کرنے میں ممد و معاون بنے۔"

ان الفاظ میں ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا تو صحیح ہے کہ جس دعوت کے ساتھ تطبیق وعمل نہ ہو وہ بے ثمر رہتی ہے اور جلد ہی ختم ہو جاتی ہے۔

لیکن ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس تفسیر نے دعوت کو ابن تیمیہ کے زمانہ کی وضع اور ہدف سے دُور کر دیا ہے۔ کیونکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ رحمہ اللہ اگر اپنے زمانہ میں سیاسی قوت حاصل کر لیتے جیسا کہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ کو حاصل ہوئی تو وہ بھی یہی کچھ یا اس سے زیادہ سخت رویہ اختیار کرتے بایں ہمہ حافظ ابن تیمیہ اور ان کے قلیل متبعین نے مقدور بھر عملی اصلاحات میں حصّہ لیا۔ لہٰذا دعوت کی تفسیر تطبیقی مقررہ منہاج کے مطابق جاری رہی۔

ڈاکٹر صاحب وغیرہ نے جو تطبیق میں غلطی یا اس کے نافذ کرتے میں غلو کا توہم کیا ہے تو یہ حکم محض جذباتی ہے۔ منطقی نہیں کیونکہ منطقی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ کسی طور صحیح نہیں ہے کہ دعوتِ توحید کے منافی اعمال و حرکات دیکھے اور پھر محض ان کے مرتکب لوگوں کو راضی رکھنے کے لیے خاموش رہے۔

پھر ڈاکٹر صاحب کا یہ ارشاد کہ "دعوت کی تفسیر تطبیق اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہ بدوی زندگی کی طرف دعوت ہے جو پہلی اسلامی جماعت کے عہد میں تھی اور یہ اس اسلام کی طرف دعوت نہیں ہے جو قرآن اور سُنّت صحیحہ پیش کرتے ہیں"۔

یہاں پر ڈاکٹر صاحب نے چند غلطیاں کی ہیں :

(الف) پہلی اسلامی جماعت کی زندگی کو بدوی اور پس ماندہ زندگی سے تعبیر کیا ہے حالانکہ وہ انسانی زندگی کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ اور انسان اور انسانی تہذیب و تمدّن کے تمام ادوار سے زیادہ ترقی یافتہ تھی اس کی شہادت کے لیے یہی کافی ہے کہ اس دور کی حضارت کی قیادت قرآن نے کی ہے اور انسانیت کے سب سے بڑے بانی نے اس کے محل کو تعمیر کیا ہے اور وہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ دنیا کے کسی دَور میں بھی کمال انسانی میں ان کی نظیر نہیں ہے۔

واضح اسلام کیا ہے؟

معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب نے یہ کیسے گوارا کر لیا کہ پہلی اسلامی زندگی پر انگشت نمائی کریں۔ اگر کوئی مخالف اسلام مشترق یا مسیحی مبشر ایسی بات کہتا تو ہم اسلام پر اس کا حملہ شمار کرتے اب جبکہ ایک مسلمان ڈاکٹر اس قسم کا طعن کر رہے ہیں تو اسے ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر! بس اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے"۔

(ب) ڈاکٹر صاحب نے پہلی اسلامی جماعت پر الزام لگایا ہے۔ کہ وہ واضح اسلام پر نہ تھی جس کا خاکہ قرآن اور سُنّت صحیحہ نے پیش کیا ہے۔ ہم ڈاکٹر صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ جب پہلی جماعت ہی واضح اسلام پر نہ تھی۔ جو نزول وحی کے زمانہ میں بھی اور اس جماعت کے افراد نے بلاواسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے تازہ بتازہ وحی کی تلقی کی تھی کہ انہیں آنحضرتؐ کی صحبت کی سعادت حاصل تھی اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساختہ پرداختہ تھے اور یہ شرف انسانیت کے طویل زمانوں میں کسی

دُوسرے کو حاصل نہیں ہُوا — تو پھر ان کے سوا دوسرا کون ہو سکتا ہے ؟

(ج) ڈاکٹر صاحب نے "واضح اسلام" کی تفسیر بھی عجیب وغریب کی ہے۔ یعنی وہ جو حضارت صناعی کا ساتھ دے وغیرہ حالانکہ اسلام کو سمجھنے کے لیے اس تفسیر کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو ڈاکٹر صاحب کی ہر تعبیر سے بلند و بالا ہے کیونکہ اسلام ہر قسم کی مادی وروحانی ترقی اور کمال انسانی تک پہنچنے کا واحد ذریعہ ہے۔

پھر اگر ڈاکٹر صاحب کے نزدیک "واضح اسلام" وہی ہے جو حضارت صناعیہ کا ساتھ دے اور حیات انسانی کی بلند سطح کے مترادف ہو اور تقدمیتہ کا حامل ہو تو دعوت وہابیت ان تمام چیزوں سے وافر طور پر بہرہ یاب ہے کیونکہ دنیا بھر کی قوموں میں سے کوئی قوم حضارت صناعیہ کی جولان گاہوں میں شعب سعودی سے زیادہ بہرہ ور نہیں ہے۔

اور سعودیہ میں انسانی زندگی کا معیار ان بہت سی حکومتوں سے بلند ہے جو حضارت میں اس سے بہت زمانہ پہلے آگے جا چکی ہیں۔

اب سعودی سوسائٹی مسلم سوسائٹی کی صحیح تصویر ہے جس میں جرائم ناپید ہیں اور اس میں نہ تو بے روزگاری اور گداگری اور قہوہ خانوں کے متلاشی لوگ ہیں۔ اور نہ منشیات کے عادی۔ نہ احتجاج پسند جماعتیں نہ حاکم کا محکوم پر ظلم اور نہ ذلت، فحاشی اور نفاق کے مظاہر ہیں جیسا کہ یہ چیزیں مشرق ومغرب کی دوسری سوسائٹیوں میں پائی جاتی ہیں پھر اگر یہ ترقی نہیں تو ڈاکٹر صاحب ہی فرمائیں۔ کہ ترقی کس جانور کا نام ہے ؟

اسلام اور حضارت صناعی :

اس کے بعد صاحب سعادت رقمطراز ہیں :

"نفسانی اعتبار سے تاحال دعوت نے نئے آلاتی دور کو قبول نہیں کیا چہ جائیکہ عصر حاضر کی ترقی اور ٹیکنالوجی کو گوارا کرتی حالانکہ کتاب وسُنّت کی طرف دعوت سے اوسط و بالذات مقصد ہی یہ ہونا چاہیئے کہ تعلیماتِ اسلامی کے سایہ اور حضارت صناعی کی معیت میں اسلامی زندگی کو چلایا جائے جس سے اب اس قومی زندگی کو چارۂ کار نہیں ہے جو ضعف واذلال کے عوارض سے نکل کر معاشی طور پر معیارِ زندگی

کو بلند کرنا چاہتی ہے۔"

(ھ) ڈاکٹر صاحب سے ذاتی تعارف کی وجہ سے ان کی اس بات پر مجھے نہایت تعجب ہے کیونکہ اس کلام میں خلط و سطحیت ہے۔ جس کا ڈاکٹر صاحب جیسے وقت پسند اور مجازفت سے دُور رہنے والے شخص سے صادر ہونا نہایت بعید ہے۔

ورنہ تو ان کا یہ کہنا کہ "تحریک نے ابتک جدید آلاتی دور کو قبول نہیں کیا" بے معنی سی بات ہے حالانکہ ان کی یہ کتاب آج سے صرف تین سال پہلے لکھی گئی ہے پھر دنیا کے طول و عرض میں کیسے یہ گوارا ہے کہ وہ اس حکومت کے متعلق یہ بات کہے جسے ساری دُنیا جانتی ہے اور ہر قسم کے جدید آلات کام میں لانے کے لیے اس نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔

سعودیہ کا ہر بچہ اب کار چلا لیتا ہے۔ اس کے تمام پُرزہ جات کو پہچانتا ہے اور اب سعودی نوجوان دمام کی "آرامکو" کمپنی میں عظیم الشان فنّی کام سرانجام دے رہے ہیں۔
پھر معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب نے یہ الزام نفس تحریک پر لگایا ہے یا تحریک کے ساتھ عقیدت رکھنے والوں پر، اگر یہ الزام نفس تحریک پر ہے تو بلاشبہ غلط ہے کیونکہ تحریک کے مبادی میں جدید پیشوں یا نئی ایجادات کی مخالفت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ بلکہ تحریک ترقی کے لیے مادی زندگی کے قبول کر لینے پر ایمان رکھتی ہے۔ کیونکہ قرآن کی رو سے تمام کائنات اپنے قوی سمیت انسان کے لیے مسخّر کی گئی ہے لہٰذا نئے تطور سے استفادہ میں کچھ مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ اسلام کے مبادی اساسیہ کے خلاف نہ ہو۔

اور اگر ڈاکٹر صاحب کا یہ الزام تحریک کے حاملین اور متبعین پر ہے تو پھر بھی غلط ہے کیونکہ سعودیوں کا ہر قسم کے آلاتِ جدید سے استخدام و انتفاع کسی پر مخفی نہیں ہے۔ ایک ڈاکٹر صاحب ہی ہیں جو سعودیوں کے متعلق ابتک یہ گمان لیے ہوئے ہیں کہ وہ بدوی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اونٹوں پر سواری کرتے ہیں۔ لکڑی جلا کر تاپتے ہیں اور پتھروں کے چولہے پر کھانا پکاتے ہیں۔
ہاں ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا صحیح ہے کہ قرآن و سنّت کی طرف دعوت سے اولاً و بالذات مقصد یہ ہونا چاہیئے۔ کہ تعلیمات اسلام کے سایہ میں اسلامی زندگی بسر کی جائے۔ کیونکہ اسلام نے زندگی کے لیے ایک منہج پیش کیا ہے لہٰذا اگر آپ بہتر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ تو اسے کلیتہً اس منہج کے

مطابق ڈھالنا پڑے گا۔

لیکن ڈاکٹر صاحب کی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی "حضارہ صناعیۃ کی مصاحبت میں جس سے اب چارۂ کار نہیں" بھلا قرآن و سنت کی دعوت کا حضارت صناعیہ اور قومی زندگی کو اس پر استوار کرنے سے کیا تعلق ہے۔

حضارۃ صناعیۃ، معیشت کے طریقوں میں ایک طرح کی سہولت اور اس کی مشقتوں کو ہلکا کرنے کی کوشش ہے اور قرآن و سنت کی مطابقت کی طرف دعوت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بے معنی خلط بحث ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کے لیے جدید صناعی زندگی کے اسباب سے استفادہ مباح قرار دیتا ہے۔ مگر یہ دعویٰ کہ اسلام میں اس استفادہ سے چارۂ کار نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے پہلے ہم نے کسی مفکرِ اسلام سے نہیں سنا [1]

اور ڈاکٹر صاحب کی اس کے متعلق کیا رائے ہے کہ کوئی مسلمان قوم بہتر طور پر مبادی اسلام کے مطابق زندگی بسر کرے لیکن اپنی معاشی زندگی میں معمولی وسائل اور بعض ابتدائی پیشوں پر اکتفاء کرے اور جدید صنعتیں درآمد نہ کرے اور نہ ہی زندگی کے عصری اسالیب کو اختیار کرے تو کیا یہ قوم۔ بقول ڈاکٹر صاحب اسلام سے خارج قرار دی جائے گی؟

نظام حیات کو اساس اسلام پر قائم کرنا:

"اب فکری اور عملی اعتبار سے وہابی تحریک ایک اتجاہ کی طرف چل رہی ہے مگر جزیرہ عرب میں رہنے والی قوم کی ترقی پر اس کے مثبت اثرات نہیں ہیں نہ ہی جماعت اسلامی کے مختلف فرقوں کو باہم مربوط کرنے میں کوئی مثبت کردار ادا کر رہی ہے اور نہ وہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام جماعتی حکومت اور اصلاح فرد کے لیے ایک دین ہے، اور وہ نئے حالات اور زندگی کے مختلف الوان

---

[1] پاک و ہند میں علامہ عنایت اللہ مشرقی بھی اسی ذہن کے تھے۔ بلکہ ڈاکٹر صاحب موصوف سے دو قدم آگے تھے۔ غالباً ڈاکٹر صاحب نے ان کی کتاب "التذکرہ" کا مطالعہ کر لیا ہوگا۔ جس میں انہوں نے مادی تسلط، سیاسی اقتدار اور اسلام کو لازم قرار دیا ہے۔ مؤلف بھی اگر التذکرہ کا مطالعہ کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ ڈاکٹر صاحب سے پہلے بھی ایسے مفکر گزر چکے ہیں جو مادی ترقی کو ہی اسلام و ایمان قرار دیتے ہیں۔

کا مقابلہ کر سکتا ہے۔"

معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب کی اس اتجاہ سے کیا مُراد ہے۔ جس پر تحریک فکری اور عملی طور پر چل رہی ہے؟

ہم تو صرف یہ جانتے ہیں کہ تحریک کے فکری اتجاہ کے اس کے سوا کچھ معنی نہیں ہیں کہ لوگوں کے سامنے عقیدہ اسلامیہ کا صحیح تصور پیش کیا جائے اور ان مفہومات کو زندہ کیا جائے۔ جن میں جماعت کے اندر تخریبی عوامل کے باعث تحریف ہو چکی ہے اور عملی اعتبار سے تحریک کا میلان۔ توحید کی حفاظت اور شرک کی آلائشوں سے بچانا ہے اور تشریع و اقتصاد اور اجتماع کی تمام جولان گاہوں میں نظام زندگی کے پورے ڈھانچے کو قائم کرنا ہے

اب ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا کہ تحریک کے اس اتجاہ کا جزیرہ کی قومی ترقی پر ایجابی اثر نہیں ہے تو یہ ڈاکٹر صاحب کا اپنا نقطۂ نظر ہے اور ہر ایک اپنی رائے میں آزاد ہے۔

لیکن واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تحریک کی رفتار اور اس کا اتجاہ قوم کی ترقی میں کبھی بھی سرِ راہ نہیں بنا اور نہ اس کے تقدم میں حائل ہُوا ہے۔ بلکہ ترقی کے مظاہر شمس النہار کی طرح ہر ایک کے سامنے ہیں اور مملکت کی زیارت کرنے والا ہر شخص ان کو محسوس اور زندگی کے تمام پہلوؤں میں انسان عظیم تبدیلیوں کا مشاہدہ کرے گا۔

ہم نے کتنی مرتبہ یہ خواہش ظاہر کی کہ ڈاکٹر صاحب ان شہروں کی زیارت کریں تاکہ ہر جگہ پر اپنی آنکھوں سے ترقی کے اُن آثار کا مشاہدہ کر سکیں۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ قول کہ "جماعت اسلامیہ کے مختلف فرقوں کو مربوط کرنے میں تحریک کے "اتجاہ" کا کوئی مثبت حصہ نہیں ہے" تو اس کی کلیتہً تردید کے لیے یہ موجودہ دور عظیم ہی کافی ہے جسے جزیرہ کے حاکم (رحمہ اللہ) منفرق مسلمانوں کو متحد و متفق کرنے اور ان کے مابین اخوت اسلامی کے مشاعر کو بیدار کرنے کے لیے چلا رہے ہیں۔

لاہور اور رباط میں دو مؤتمروں کا انعقاد بھی انہی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ پھر عالم اسلامی کے وزراء خارجہ کی مسلسل مؤتمرات اور ان میں قرارداد یں۔ جو مسلمانوں میں اعزاز و تمکین کا سبب بن رہی ہیں۔ بھی انہی کوششوں کا اثر ہے۔

پھر "رابطہ عالم اسلامی" کا قیام جس میں بڑے بڑے تمام اسلامی ممالک کے نمائندے کام کر رہے ہیں اور منظمات وہیئات اسلامیہ کو ہر قسم کی دینی اور علمی کتابوں کے ساتھ امداد دینا اور پھر ان منظمات کی علاقائی مؤتمرات قائم کرنا وغیرہ قابلِ قدر خدمات میں مزید برآں مدینہ منورہ میں الجامعۃ الاسلامیہ کا قیام جس میں ۸۴ ممالک اسلامیہ کے طلبہ زیرِ تعلیم ہیں۔" پھر جلالۃ الملک کا اسلامی مراکز قائم کرنا اور دنیا بھر میں بڑی مساجد کی تعمیر و تشیید اور بلادِ عربیہ اور اسلامیہ میں دینی اور خیراتی اداروں کی مساعدت کا اہتمام کرنا وغیرہ۔ یہ تمام مساعی اسلامی فرقوں میں باہم ربط کے پیسے ہی کی بدولت کارلائی جارہی ہیں۔

نیز ڈاکٹر صاحب کو ہم جلالۃ الملک کا دورہ بھی یاد دلاتے ہیں۔ جو انہوں نے آخری دنوں میں افریقی ممالک کا کیا تاکہ اپنے بھائی مسلمانوں کے حالات سے آگاہ ہوں۔ چنانچہ اس دورہ میں جلالۃ الملک بہت سے افریقی ممالک کو اسرائیل کے ساتھ قطع تعلق اور سفارتی تعلقات ختم کر دینے پر راضی کر لینے میں کامیاب ہو گئے۔

اسی طرح جلالۃ الملک نے فرانس کا آخری دورہ کیا۔ تو اس موقع پر عربوں کے معاملہ میں نہ صرف فرانس کی تائید حاصل کی بلکہ بہت سے یورپی غربی ممالک کی تائید حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے۔

ڈاکٹر صاحب! یہ وہابیوں کے بادشاہ کی مساعی کثیرہ میں سے چند ایک بطور نمونہ پیش خدمت ہیں کیا اس کے بعد بھی جناب والا وہابی تحریک کے اتجاہ کے بارے میں اپنی اس رائے پر نظرِ ثانی کریں گے؟

سعودیہ میں اسلامی حکومت کا تجربہ:

پھر صاحب سعادت حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

اور ثالثاً یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ اسلام جماعتی حکومت اور اصلاحی فرد کا دین ہے۔"

(ھ) ظاہر ہے کہ "یہ" کا اشارہ اس اتجاہ کی طرف ہے۔ جس کی پشت میں تحریک وہابیت کام کر رہی ہے اور ڈاکٹر صاحب اس سے سعودی حکومت مُراد لے رہے ہیں اور کہنا یہ چاہتے ہیں کہ سعودی حکومت اس بات کی علامت نہیں ہے کہ اسلام اجتماعی حکم اور اصلاح فرد کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور نہ اس بات کی دلیل ہے کہ دین اسلام نئے حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا مقصد کسی ترمیم واصلاح کے بغیر یہ ہے کہ سعودیہ میں اسلامی حکومت کا تجربہ ناکام ہو چکا ہے۔ لیکن سعودیہ کے دشمن بھی یہ بات کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے کیونکہ ایسی بات کہنے والے کا لوگ مذاق اڑائیں گے اور یا اسے پاگل اور مجنوں کہیں گے۔

سعودیہ کی حکومت سے متعلق دوست ہی نہیں دشمن بھی اس بات کی شہادت دیں گے کہ وہ بحمداللہ عدل اور امن واطمینان کی حکومت ہونے میں ضرب المثل ہے۔ کیونکہ وہاں پر اسلامی حدیں جاری ہوتی ہیں اور حکومت صالحہ کے امتیازات کسی ملک میں اتنے وافر نہیں پائے جاتے جتنے کہ سعودیہ میں موجود ہیں۔

اصلاح فرد کے سلسلہ میں گزارش ہے کہ افراد کی تربیت واصلاح کی طرف نہایت توجہ دی جا رہی ہے اور فکری، اخلاقی وجدانی ہر طور سے اکمل طور پر ان کی تربیت ہو رہی ہے۔

اب رہا جدید حالات اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کا مقابلہ تو سعودیہ وہ واحد اسلامی حکومت ہے جس میں جدید الوان حضارت سے منتفع ہونے کی استطاعت ہے۔ بدوں اس کے کہ ان حضارتوں میں اپنے آپ کو گم کرے جیسا کہ دوسری اسلامی حکومتوں نے کیا ہے۔

بلکہ سعودیہ نے اس حضارت کے مقابلہ میں ایک مسلمان کا سا موقف اختیار کیا ہے۔ جو یہ جانتا ہے کہ اغیار کے پاس جو کچھ ہے اس سے کیسے استفادہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کا دین اور اخلاق وعادات اس سے مجروح نہ ہوں۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

تحریک وہابیت کے اساسی فکر اور اس کے متبعین کی عملی زندگی کے درمیان بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔

وہابی فکر اور عقیدہ وہابیہ کی جولانگاہ، قراءۃ اور رٹہ لگانے اور یا پھر کسی بناء ومناسبت کے بغیر روٹی کمانے اور کھانے کی جولانگاہ ہے"

(ھ) ہم یہ گمان نہیں کر سکتے کہ ڈاکٹر صاحب بحالت ہوش وحواس ایسا الزام لگا سکتے ہیں بلکہ ایسی بات وہ سخت انفعال کی حالت میں لکھ سکتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان پر ہیجانی کیفیت طاری ہے کہ وہ مخالف پر کلمات کے تیر نہیں بلکہ اینٹ اور پتھر پھینکنے لگے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کو ان پر خود ہی محاکمہ کرنا چاہیئے اور اس کا انجام اور ذمہ داری اٹھانا چاہیئے۔

وہ وہابیوں پر اولاً نفاق کا الزام لگاتے ہیں کہ ان کے قول وفعل میں تضاد ہے اور انہوں نے فقط دعوت کا لباس پہن رکھا ہے جس کا تطبیقی عملی اور حیات واقعی پر کچھ بھی اثر نہیں ہے۔

پھر ان پر جہالت کی تہمت لگاتے ہیں کہ وہ جو کچھ پڑھتے ہیں سمجھتے نہیں وہ بس نری ٹماں ٹماں کرتے رہتے ہیں۔ اور اس کے مدلول سے واقف نہیں ہوتے۔

پھر ان پر تیسرا الزام لگاتے ہیں کہ وہ گداگر ہیں اور دعوت کو انہوں نے کمانے اور کھانے کا ذریعہ بنا رکھا ہے ـــ ڈاکٹر صاحب کیا خود ہیں یہ بات نہیں ہے ؟

منہج فکر اور زندگی کا لائحہ عمل :

لیکن حقیقت حال، اس کے برعکس ہے جو آپ نے اپنے ہر سہ الزامات میں بیان کی ہے اور غضب وانفعال کی وجہ سے آپ سے مخفی رہ گئی ہے۔

واقعتہً ہم دیکھتے ہیں کہ تحریک وہابی کی نظری جولانگاہ اور اس کے متبعین کی عملی زندگی میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے خیال میں وہابی تحریک جیسی کوئی اسلامی تحریک نہیں ہے جو اپنے مبادی براہین اور عملی تطبیق میں ان کا التزام کرنے والی ہو۔ اسی بنا پر اسے بقاء و رسوخ حاصل ہے اور وہ اپنے متبعین کا منہج فکر اور خطۂ حیاۃ اور ان کی شخصیت کا جزو بن کر رہ گئی ہے۔

اور وہابی فکر وعقیدہ کی جولانگاہ قراءت وتردید کی جولانگاہ نہیں ہے جیسا کہ ڈاکٹر صاحب الاپ رہے ہیں۔ بلکہ فہم سلیم، شعور ایمان اور دعوت صادقہ کی جولانگاہ ہے۔

دعوت کے دائرہ میں ایسے علماء پیدا ہوئے ہیں جو رجاحت فکر فصاحت قول اور تالیف کی عمدگی میں اپنا وزن رکھتے ہیں۔ اسی طرح وہابیت نے کسی وقت بھی پیشہ اور حرفت کی شکل اختیار نہیں کی بلکہ اس شخص کی دعوت ہے جو ہر قسم کی خواہش وعصبیت سے پاک ہے اور جب اُمت گمراہی کے کیچڑ میں گر کر ہلاک ہو رہی تھی تو وہ اسے بچانے کے لیے اخلاص کے ساتھ اس تحریک کو لے کر کھڑا ہوا تھا۔

شیخ الاسلام کے بعد تحریک کے ابناء نے اس دعوت کا علم بلند کیا جو ان کے ابناء واحفاد اور تلامذہ وانصار سے تھے اور ان کی پشت پناہی میں سعودی تلوار تھی جو ان کی حفاظت کر رہی تھی۔

اور اس تحریک پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے کہ اس نے سیف و سنان اور قلم و لسان معاً اس کے لیے مہیا کر دیئے۔ چنانچہ اس کے لذیذ ثمرات ظاہر ہوئے اور وہ اپنے گول کی طرف آگے بڑھتی گئی، کسی حاکم کا استبداد اور بادشاہ کا ظلم اس راہ حائل نہ ہو سکا۔

ڈاکٹر صاحب پر تعجب ہے کہ وہ وہابیت پر سخت تنقید کرتے ہوئے فحش لسانی کی حد تک پہنچ جاتے ہیں ورنہ دعوت کے مخالفین قبر پرست اور صوفیہ پر ایک بار بھی تنقید نہیں کی بلکہ اُلٹا وہابیت کو کوستے ہیں کہ وہ مخالفین کے قریب ہونے کی کوشش نہیں کرتے ڈاکٹر صاحب ہی بتائیں یہ کونسی منطق ہے؟

اس کے بعد سعادۃ الدکتور لکھتے ہیں:

"وہابی جماعت کی زندگی بھی دوسری اسلامی جماعتوں کی طرح فکر اور آراء اسلامیہ سے عاری ہے وہ اپنی حرکت و سیر میں ان عوامل کے تابع ہیں جو مشرقی اور مغربی رجحانات اور عادات و تقالید کے درمیان تذبذب ہیں۔ کسی ایک مصدر میں محدود نہیں ہیں۔"

ڈاکٹر صاحب یہاں پر تمام اسلامی جماعتوں پر وہی الزام لگا رہے ہیں جو تحریک وہابیت پر لگایا ہے کہ یہ جماعتیں فکر اور آراء اسلامیہ سے عاری ہیں۔

معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب کی اس فکر اور آراء سے مُراد کیا ہے؟ جن سے اسلامی جماعتیں عاری ہیں؟ کیا ان آراء سے متکلمین فلاسفر اور صوفیہ کی آراء مُراد ہیں۔ جنہوں نے عقیدہ اسلامیہ کے جمال کو بدنما بنایا اور اس کی پاکیزگی اور سادگی کو ختم کیا ہے اور ان تعقیدات فکریہ اور شطحات صوفیہ کو اس میں ٹھونس کر اس پر جنایت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اگر یہی آراء مُراد ہیں تو پھر جماعات اسلامیہ کو اس قسم کے فکر اور متعفن آراء کی کیا ضرورت ہے کہ ان سے اتصال پیدا کریں اور ان کے مطابق زندگی بسر کریں؟

اور اگر ان افکار و آراء سے افکار سلیمہ اور آراء مستقیمہ مُراد ہیں جن کو عقلِ سلیم نے خالص کیا ہے اور ہواء و تقلید اعمیٰ نے ان میں فساد نہ کیا ہو۔ جیسے جلیل القدر شخصیتیں حافظ ابن تیمیہ اور ابن القیم کی آراء ہیں تو بلاشبہ تحریک وہابیت اس قسم کے افکار و آراء سے عاری نہیں ہے بلکہ تحریک کا ان کے ساتھ پُورا تعلق ہے۔

صراطِ مستقیم :

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔

"تحریک ان عوامل کے زیرِ اثر چل رہی ہے جو مشرق و مغرب کے درمیان مشترک ہیں"

(ھ) یہ ایک اتہام ہے جو باطل اور بے بنیاد ہے کیونکہ تحریک کبھی بھی نہ ان عوامل کے زیر رہی ہے جو اسلام سے دُور ہوں اور نہ ہی آئندہ۔ انشاءاللہ۔ اِن کے زیرِ اثر ہونا قبول کرے گی۔ خواہ وہ عوامل مشرقی ہوں یا غربی۔ اسی طرح تحریک صرف انہی عادات و تقالید سے واقف ہے جو اسلام نے برقرار رکھی ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ تحریک کا اپنے جمیع اتجاہات میں بلا تردید ایک ہی مصدر ہے اور وہ ہے وحی آسمانی جو کتاب و سُنّت کی صورت میں موجود ہے۔ اور تحریک اس سے شرق و غرب میں منحرف نہیں ہوئی وہ تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تابع رہی ہے۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ	یہ میری سیدھی راہ ہے پس اسی پر چلو اور
وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ	دیگر راستوں پر مت چلو یہ تمہیں اس کی
عَنْ سَبِيْلِهٖ ۔ (الانعام)	راہ سے ہٹا دیں گے۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :

"اس تحریک کو حکومت کی پشت پناہی حاصل ہو جانے کے بعد اُمید کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنے اصلی فکر سلبی اور ایجابی کے مطابق تطبیق عمل میں دوسری اسلامی تحریکوں سے ممتاز رہے گی اور جو جماعت اس تحریک پر ایمان رکھتی ہے اس کی زندگی میں داعی کے فکر کی جھلک نظر آئے گی جیسا کہ وہ تحریک پر ایمان لایا اور اس کے بعد اُسے چھوڑ کر اللہ کو پیارا ہو گیا۔"

(ھ) ڈاکٹر صاحب نے جو اُمید کی ہے بالفعل واقعہ بھی یہی ہے۔ حکومت کی حمایت نے اس تحریک کو ان مہلک طوفانوں سے بچا لیا۔ جن کی دوسری اسلامی جماعتیں شکار ہو گئیں۔

اس حمایت کے سائے میں تحریک میں یہ سکت پیدا ہو گئی کہ اپنے مقصد کی طرف ثابت قدمی سے چلے اور اس کی عملی زندگی اس کے بنیادی فکر کے مناسب ہو اور تحریک پر یقین رکھنے والے

جماعت کی زندگی ان مبادی کا یہ صحیح عنوان ہو جن کا تحریک کے بانی نے اعلان کیا تھا اور ان پر خود بھی یقین رکھتا تھا اور ان میں سے کسی میں کبھی خلف واقع نہیں ہُوا نہ تو نظری جولانگاہ اور تطبیق عملی کے مابین اور نہ ہی جماعتی زندگی اور ان مبادی کے مابین جیسا کہ بعض دوسری جماعتیں حکومتوں کے سیاسی دباؤ کے تحت اس کا شکار ہو گئیں۔

اس دور میں بڑا کارنامہ علمی عمارت کا قیام :

اس کے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :

"امیر ابن سعود اور شیخ کے مابین ۱۱۵۷ھ کو جو معاہدہ طے پایا تھا اور اس کی وجہ سے وہابی مذہب اور موجودہ حکومت کے مابین جو مواخات پیدا ہوئی اس کی بناء پر مملکت عربیہ سعودیہ میں تعلیم میں دوئی اور مذہبی اور مدنی کی تقسیم کو ختم کر دیا گیا۔"

(ھ) لیکن ڈاکٹر صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ تعلیم میں ثنائیت (دوئی) نہیں تھی بلکہ جب سے شیخ اور امیر کے مابین عہد قائم ہوا یہ تعلیم نظامی ہی رہی، حتیٰ کہ ۱۳۴۴ھ کو یعنی اس عہد سے ایک سو ستر سال بعد پہلا مدرسہ قائم کیا گیا [1]

اس مدت میں صرف دینی تعلیم ہی جاری رہی طلبہ مساجد میں شیوخ سے تعلیم حاصل کرتے جیسا کہ مصر کے جامعہ ازہر اور بعض بڑی مساجد میں یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس کے بعد مکہ، ریاض اور

---

[1] جلالۃ الملک عبد العزیز بن عبد الرحمٰن کے عہد میں یہ تمام ادارے قائم کئے گئے اور آل شیخ سے شیخ عبد اللطیف بن ابراہیم اور شیخ محمد بن ابراہیم عموماً جلالۃ الملک کو مشورے دیتے اور ان کے مشوروں کے مطابق یہ اصطلاحات عمل میں لائی گئیں چنانچہ شیخ محمد ابراہیم آل الشیخ کے مشورہ سے ۱۳۶۹ھ کو ریاض میں معہد علمی قائم کیا گیا اور ۱۳۷۳ھ کو شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ کے اشارہ سے ہی ریاض میں کلیۃ الشریعۃ قائم ہوا اور ۱۳۷۴ھ کو ملک کے بڑے بڑے شہروں میں اس کی شاخیں کھولنے کی اجازت دی تھی اور ۱۳۸۷ھ تک تمام سعودی حکومت میں معاہد کا جال پھیل گیا اور یہ تمام کارنامے شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ کے ہاتھ سے سرانجام پائے۔ واللہ اعلم۔

نجد و قصیم کے بڑے بڑے شہروں عنیزہ، بریدہ، مجمعہ، اور شقرہ میں مدیریۃ المعارف (تعلیمی ڈائرکٹریٹ) قائم کیا گیا۔

ان دنوں میں جب ڈاکٹر صاحب بحوث علیہ کے ڈائریکٹر تھے۔ جامعہ ازہر سے اساتذہ منگوائے جاتے تھے اور یہ نظام اسی حالت پر چلتا رہا۔ حتیٰ کہ ۱۳۷۳ھ کو وزارت المعارف قائم ہو گئی[1]

اس وقت ملک میں صرف دو ثانوی مدرسے موجود تھے ایک جدہ اور دوسرا مکہ میں، لہٰذا وزارت المعارف مجبور ہوئی کہ دوسرے متمدن ممالک کی برابری کرنے کے لیے ملک میں کچھ اور مدارس قائم کرے اور ان کے مناہج تعلیم میں مواد شرعیہ اور عربیہ کے ساتھ علوم جدیدہ بھی شامل کرے۔

اس سلسلہ میں وزارت المعارف نے بے حد تیز رفتاری سے کام لیا۔ حتیٰ کہ صرف بیس سال کی مدت میں مختلف تعلیمی مراحل کے لیے دو ہزار مدارس کھولے گئے۔ یعنی فی سال ایک سو مدرسے۔

اس طرح تعلیم کے سلسلہ میں مملکت عربیہ سعودیہ ان ملکوں کے ہم پلہ ہو گئی۔ جو اس سے سبقت کر چکے تھے بلکہ بہت سے سبقت لیجانے والے سابق ملکوں سے بازی لے گئی اور اب مملکت کی وسعت اور اس کے شہروں اور قصبوں کے مابین بعد مسافت کو دیکھا جائے اور دیگر مواضع پر نظر ڈالی جائے تو موجودہ تعلیمی ترقی ایک معجزہ دکھائی دیتا ہے۔

اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور دائرہ تعلیم میں کام کرنے والوں کی کوششوں کی وجہ سے جن کے رئیس وزیر المعارف الشیخ حسن ابن عبداللہ آل الشیخ ہیں ملک کی تعلیمی بناء کی تکمیل بہت بڑا کارنامہ شمار ہونے لگا ہے اور مملکت کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک تمام شہروں اور بستیوں میں مدارس کا جال بچھا ہوا ہے اور تمام سعودیوں کو تعلیم کے مواقع حاصل ہیں۔

اب صرف ایک ابتدائی تعلیم ہی ایسی رہ گئی ہے جس میں تمام مواد دینیہ، عقیدہ اور فقہ وغیرہ

---

[1] یعنی جلالۃ الملک عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کے عہد میں غالباً معالی الشیخ محمد بن ابراہیم وزیر المعارف بنائے گئے۔

کی تدریس کی جاتی ہے اور اس نوع کا صرف ایک مرحلہ متوسطہ پایا جاتا ہے۔

اب رہا مرحلہ ثانویہ تو معاہد و مدارس میں منقسم ہونے کے باوجود، اس کے مناہج متقارب ہیں خصوصاً جبکہ علوم حدیثہ معاہد میں شامل کئے جا چکے ہیں۔

بہر حال وہ اثنینیت جو ڈاکٹر صاحب کے گمان میں ہے اگر بالفرض موجود بھی ہے تو وہ دینی تعلیم پر اثر انداز نہیں ہے۔ اور اس سے یہ غرض نہیں ہے کہ طلبہ کا ایک گروپ حکومتی ہو۔ اور دوسرا وہابیوں کا ہو جیسا کہ مستعمرات میں ہو رہا تھا۔

لیکن اس صورت حال کے بھی کچھ ظروف و اسباب ہیں جو اس وضع کے متقضی ہیں۔ بایں ہمہ یہ سب کے سب تحریک وہابیت اور بیت سعودی کے وفادار ہیں۔ پس یہاں پر کوئی فرقت یا دوئی نہیں ہے۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"یہاں پر تعلیم نظری دائرہ میں ان تعلیمات اور ثقافت انسانی کے مابین بعد پایا جاتا ہے"۔

(ھ) یہ انفصال اور بُعد بھی ڈاکٹر صاحب کی خیالی چیز ہے کیونکہ اب ان معاہد و مدارس اور کلیات سعودیہ میں ثقافت انسانی کے تمام فروع ـ تربیت، علم نفس، جغرافیہ اور تاریخ وغیرہ۔ کی تدریس کی جاتی ہے اور مکہ میں خاص طور پر کلیۃ التربیہ قائم ہے جو جامعہ الملک عبدالعزیز کے تابع ہے۔

بلکہ اب سعودیہ میں ثقافت انسانی کے تمام شعبوں میں متخصصین اساتذہ کی اتنی تعداد پائی جاتی ہے جو کسی دُوسرے اسلامی مُلک میں نظر نہیں آتی۔

اور مملکت عربیہ سعودیہ ـ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے اور حاسدوں کے شر سے بچائے۔ اس سلسلہ میں کسی قسم کا بخل نہیں کرتی بلکہ بیرون ممالک سے اعلیٰ قسم کے اساتذہ منگوانے میں فراخدلی کے ساتھ خرچ کر رہی ہے۔

وہابیت ہر قسم کے اسباب زندگی کو اپنا رہی ہے:

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"بہر حال وہابی مذہب کی تعالیم بھی دُوسرے اسلامی ممالک کی تعلیمات دینیہ کی طرح ہیں جن کا

زندگی اور تعلیم عمومی سے کچھ تعلق نہیں ہے ۔"

اور یہاں پر تطبیق یا تعلیم عام کے میدان میں کوئی علمی اثر نظر نہیں آتا جو دعوت اور سلطنت کے مابین مواخاۃ کا طرۂ امتیاز ہو ۔"

اب بیسوں نہیں بلکہ سینکڑوں کی تعداد میں سعودی طلبہ معرفت کے تمام شعبوں میں تخصص کے لیے یورپ اور امریکہ مملکت کی یونیورسٹیوں میں حاضر ہو رہے ہیں اور یہ ان کے علاوہ ہیں جو متخرج ہو کر مملکت کی یونیورسٹیوں میں تدریس یا ادارت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں ۔ وہ بھی تعداد میں دہائیوں تک پہنچ گئے ہیں ۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں مملکت یونیورسٹیوں کے لیے اعلیٰ اساتذہ سے اب ضرورت پوری کرے گی بلکہ دوسری عربی اور اسلامی سلطنتوں کے لیے بھی اساتذہ بھیجنے لگے گی ۔

(ھ) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب ان الفاظ کے ساتھ جن پر خاتمہ کی کوئی علامت نہیں ہے ۔ وہابیت کے بارے میں اپنی رائے کا خلاصہ بیان کرنا چاہتے ہیں اور یہ الفاظ کسی ایسے شخص سے صادر نہیں ہو سکتے جو غرض و ہوا سے خالی ہو ۔

فصیح و بلیغ ڈاکٹر صاحب سے ہم پوچھتے ہیں آپ کے قول میں مذہب وہابی بھی دین اسلام کی تعلیمات کی مثل ... ء کونسی تشبیہ ہے کیا وہابیوں کی تعلیمات دین اسلامی کی تعلیمات سے الگ ہیں ۔ حتیٰ کہ اسے تشبیہ کہا جائے ۔

یا ڈاکٹر صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں : تعلیمات دین میں وہابی مذہب کا حصہ بھی دوسرے اسلامی ممالک کے حصے جیسا ہے پھر سب پر زندگی اور تعلیم عام سے لاتعلق ہونے کا الزام لگاتے ہیں ۔

اولاً تو ہم یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ دین میں وہابیت کا حصہ بھی دوسرے بلادِ اسلامیہ کے حصہ کی طرح ہے ۔ کیونکہ وہ تحریک جو دین کو شوائب و اکدار سے پاک و صاف کرنے کے لیے اٹھی ہے ۔ اس کے اور دوسرے مذاہب متحرفہ کے مابین نہایت بعد پایا جاتا ہے ۔ جنہوں نے کہ دین کو اس کے اصلی سرچشمہ سے نہیں بلکہ جدید آراء اور ان فلسفوں کے ذریعہ پہنچا تا ہے ۔ جو اسلام میں دخیل ہو چکے ہیں ۔

ثانیاً ہم یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ وہابیت زندگی سے لاتعلق ہے بلکہ یہ تو زندگی کے تمام اسباب کو حاصل کر رہی ہے جیسا کہ یہ کئی ملین مسلمانوں کی زندگی کا منبع ہے اور وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہابیت کے

سایہ کے نیچے ہی صحیح زندگی گزر سکتی ہے۔

ہاں اگر زندگی سے دنیوی سامان کی زندگی اور تمدن مراد ہے جس میں گر کر بہت سے اسلامی ممالک تباہ ہو چکے ہیں تو وہابیت بذاتِ خود اپنے متبعین سمیت اس قسم کی زندگی سے بلاشبہ الگ ہے۔

ثالثاً ہم یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ وہابیّت "تعلیم عام" سے الگ گوشہ میں ہے بلکہ یہ تو ہر فائدہ مند چیز کو لیتی ہے، اور حکمت کی بات جہاں سے مل جائے اسے اُٹھا لیتی ہے۔

حق کی طرف رجوع باطل پر اصرار سے بہتر ہے:

یہاں تک ڈاکٹر محمد بہی کے وہابیت کے متعلق مقالہ کی حقیقت اور اس کی تردید تھی۔

میں نہایت افسوس سے کہوں گا کہ ڈاکٹر صاحب نے کوئی بات بھی صحیح نہیں کی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کسی دباؤ کے تحت یہ سب کچھ لکھا ہے اور اول سے لے کر آخر تک مقالہ میں وہابیت پر حملہ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

ڈاکٹر صاحب نے یہ مقالہ لکھ کر اولاً تو خود اپنی ذات پر ظلم کیا ہے کہ اپنے آپ کو بری قسم کی غلطیوں کے ورطہ میں ڈال دیا ہے اور ثانیاً حقیقت حال پر ظلم کیا ہے اور اس پر جنایت کا ارتکاب کیا ہے۔

کیا ڈاکٹر صاحب ہمارے تعاقب کی روشنی میں اپنے مقالہ پر دوبارہ غور کر سکتے ہیں اور اس ضرب المثل پر عمل کر سکتے ہیں:

ان الرجوع الی الحق خیر من التمادی فی الباطل۔ — کہ حق کی طرف رجوع کرنا، باطل پر اصرار سے بہتر ہے۔

ڈاکٹر صاحب سے ہم یہی امید کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حق و انصاف کے راستہ پر چلنے کی توفیق دے۔ اور ہمیں ہمارے نفسانی شرور اور اعمال کی برائیوں سے محفوظ رکھے۔ انه ولی التوفیق

مؤلف

ڈاکٹر محمد خلیل ہراس رئیس قسم العقیدہ
بالدراسات العلیا بکلیۃ الشریعۃ بمکۃ المکرمۃ